ماهنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

URDU MONTHLY MAGAZINE

July 2025

مُدیرمَسئول

مولانا محمد عرفان ثاقِب قاسمی

مُدیرتحریر

مولانا مُحمد صغیر قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن دعوت الی الحق کیرانہ ضلع شاملی کا

علمی، دینی، تحقیقی واصلاحی ترجمان

ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

جلد (۱۳) محرم ۱۴۴۷ھ، مطابق جولائی ۲۰۲۵ء شمارہ (۱)

مدیر مسئول

حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

بانی ومہتمم جامعۃ السعادۃ کیرانہ وصدر انجمن دعوت الی الحق

مدیر تحریر

محمد صغیر قاسمی

09897855010

sagheerqasmi@gmail.com

ترسیل کے لیے رابطہ کریں: محمد معظم رحمانی قاسمی 09359602830

موبائل نمبر: 09359602830 ای میل: tahqiqateislami2011@gmail.com

شرح خریداری:

فی شمارہ: ۳۰/روپے سالانہ: ۳۰۰/روپے اعزازی: ۵۰۰۰/روپے

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ہر طرح کی قانونی کارروائی کا حق صرف عدالتِ کیرانہ ہی کو ہوگا۔

خط وکتابت کا پتہ:

دفتر ماہنامہ ”تحقیقاتِ اسلامی“

جامعۃ السعادۃ

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ کیرانہ ضلع شاملی (یوپی) انڈیا

Add: Office Tahqiqat-e-Islami
Jamiatus Sa'adah, Moh.Ibrahimpura
(Aal Kalan) Shamli Road, Kairana
Distt. Shamli (U.P.) India
A/c No. 3023002100004803
TAHQIQAT-E-ISLAMI
Punjab National Bank, Branch: Kairana

ناشر

تحقیقاتِ اسلامی

۲۴۱/آل خورد (ملتانیان) کیرانہ ضلع شاملی (یو۔پی) ۲۴۷۷۷۴

پرنٹر پبلشر محمد عرفان نے جیوتی پرنٹنگ پریس منگلا مارکیٹ نزد مالویہ چوک، مظفرنگر سے طبع کرا کے دفتر تحقیقاتِ اسلامی ۲۴۱/آل خورد (ملتانیان) کیرانہ شاملی سے شائع کیا۔

آئینہ

صریر خامہ
...اپنا نامۂ اعمال دیکھ — محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی — (۳)
درس قرآن
تفسیر سورۂ ملک — مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی — (۶)
درس حدیث
دورِ حاضر اور علامات قیامت — محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی — (۱۳)
مقالات ومضامین:
سچ اور جھوٹ — مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی — (۱۴)
مدرسہ کھولا ہے دوکان نہیں! — مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی — (۱۷)
عیش وعشرت کے ساتھ قوم کی حالت... — مولانا نثار احمد حصیر قاسمی — (۱۹)
تعلیمِ نسواں — قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ — (۲۴)
اسلام تمام دُنیا کا بھلا چاہتا ہے — محمد ناصر ندوی پرتاپ گڑھی — (۲۹)
مصنوعی ذہانت کی حقیقت... — مولانا بدر الحسن القاسمی — (۳۱)
سائنس اور قرآن — مولانا ثمیر الدین قاسمی — (۳۸)
فقہ وفتاوی — ادارہ — (۴۰)
واقعات وحکایات — ابوصفی — (۴۲)
افسانہ
قصہ چہار درویش — میر امن دہلوی — (۴۳)
طب وصحت
جامن کے فوائد — ادارہ — (۴۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صریرخامہ

...اپنا نامۂ اعمال دیکھ

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

آج ہر طرف ظلم وطغیانی اور سرکشی کا دور دورہ ہے، ہر جگہ ظالم حکمراں مسلط ہیں اور امت مسلمہ کو اپنے ظلم کی چکی میں پیس رہے ہیں، مسلمان بے بس اور بے کس ہو چکا ہے، اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ جہاں کے بھی احوال سنیں، سوائے افسوس کے کوئی حل سمجھ میں نہیں آتا۔ مسجد اقصی خطرے میں ہے، عرب کا کوئی حاکم اس کی آواز بلند کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، فلسطین کے مسلمانوں کو نیست ونابود کر دیا گیا، ان کو دانے دانے کے لئے اور ایک ایک قطرہ پانی کے لئے تڑپایا جارہا ہے، اور وہیں عرب کے حکمراں دادِ عیش حاصل کر رہے ہیں، ان کے قاتلوں اور ظالموں کو بلا کر ان کے سامنے عورتوں کا ڈانس کرا رہے ہیں، ہدایا پیش کر رہے ہیں۔ ہمارے ملک میں ''وقف ترمیمی بل قانون'' کے ذریعہ بہت سی مساجد، قبرستان اور وقف املاک کو خطرے میں ڈال دیا گیا ہے، اور اب تو بہار میں الیکشن کمیشن کے ذریعہ ووٹر آئی ڈی کی تصدیق کے لئے جن کاغذات کا مطالبہ کیا جارہا ہے، (اور کل پورے ملک میں یہ ہوگا) اس کا نتیجہ کیا نکلے گا، اللہ ہی خیر کرے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ کائنات کا ایک ذرہ اور کسی درخت کا ایک پتا بھی حکم خداوندی کے بغیر حرکت نہیں کرتا، تو پھر کوئی ظالم ہم پر حکمراں کیسے بن سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ بنیں نہیں ہیں بلکہ بنائے گئے ہیں اور یہ سب رب ذوالجلال کی مشیت کے بغیر نہیں ہوا ہے۔ نیز جب تک اس مصیبت سے وہ نکالے گا نہیں ہم نکل بھی نہیں سکتے۔ ظالم وجابر لوگ اس لئے مسلط کئے گئے ہیں کہ ہم نے اپنے اعمال سیئہ سے خالق ارض وسماء کو ناراض کر رکھا ہے، اس کے حکموں کو پس پشت ڈالدیا ہے اور اس سے اپنے ایمانی رشتے کو توڑ رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے اس نے ایسے حکمراں ہم پر مسلط کر دیئے، جو ہمیں خدا کی یاد دلائیں اور رب ارحم الراحمین کی پناہ میں آنے پر مجبور کر دیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

''وَ مَا اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَ یَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ ''(شوری:۳۰)

(اور تم کو (اے گناہگاروں) جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کیے ہوئے کاموں سے (پہنچتی ہے اور پھر بھی ہر گناہ پر نہیں، بلکہ بعض بعض گناہوں پر) اور بہت سی تو در گزر ہی کر دیتا ہے۔)

امام طبرانی نے سیدنا حضرت حسن بصری سے ایک حدیث نقل کی ہے:

"اعمالکم عمالکم و کماتکونو ایولی علیکم" (کشف الخفاء:۱/۷ ۱۴، بحوالہ طبرانی)

(تمہارے اعمال ہی (درحقیقت) تمہارے حاکم ہیں اور جیسے تم ہوگے ایسے ہی حاکم تم پر مسلط ہوں گے)

اس آیت کریمہ اور حدیث نبویہ نے یہ بات بالکل واضح کردی کہ کوئی فرد یا جماعت جب ابتلاء وآزمائش کا شکار ہوتی ہے اور ان پر ظالم وجابر حکمراں مسلط ہوتے ہیں تو وہ اس کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے، اس لئے ایسے مواقع پر گریبان میں جھانکنا چاہیے کہ غلطی کیا ہوئی، اور اس کی تلافی کی کیا صورت ہے۔ایک اور حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کوانتہائی وشگاف انداز میں بیان فرمایا ہے:

عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ تعالیٰ یقول انا اللہ لا الہ الا انا مالک الملوک و ملک الملوک قلوب الملوک فی یدی وان العباد اذا اطاعونی حولت قلوب ملوکھم علیھم بالرحمة والرافة وان العباد اذا عصونی حولت قلوبھم بالسخطة والنقمة فساموھم سوء العذاب فلا تشغلوا انفسکم بالدعاء علی الملوک ولکن اشغلوا انفسکم بالذکر والتضرع کی اکفیکم۔ (رواہ ابو نعیم فی الحلیة کذا فی المشکوة:۳۲۳)

(حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خبردار کرتا ہے کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی اور خدا نہیں، بادشاہوں کا مالک ہوں، اور تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، دنیوی سب بادشاہوں کے دل میرے قبضے میں ہیں، یادرکھو جب میرے بندے میری فرمانبرداری کرتے ہیں تو میں بادشاہوں کے دل ان کی محبت وشفقت سے بھر دیتا ہوں (تو وہ اپنی رعایا سے محبت کرنے لگتے ہیں) اور جب میرے بندے میری نافرمانی پر کمر بستہ ہوجاتے ہیں تو میں ان کے دلوں کو پھیر کر ان کے دلوں میں غصہ ناراضگی اور سختی ڈال دیتا ہوں، تو پھر وہ بادشاہ ان کو بڑی بڑی مصیبتوں میں مبتلا کرتے ہیں، لہٰذا تم اپنے بادشاہوں پر بددعاؤں کے مشغلے میں نہ لگے رہو، بلکہ سب سے پہلے اپنی اصلاح حال کی طرف توجہ کرو، تاکہ ان کی ظالمانہ حرکات سے میں خود تمہارے لئے کافی ہوجاؤں۔)

معلوم ہوا کہ ظالم حکمرانوں کا تسلط اور دیگر آلام ومصائب جن سے اس وقت پوری امت مسلمہ دوچار ہے، یہ سب ہماری بداعمالیوں کے نتائج ہیں جو خدا کی نافرمانی کی وجہ سے بطور عذاب الٰہی ہم پر مسلط کئے گئے ہیں، اور ان سے نجات بھی وہی ذات دلاسکتی ہے۔حکام کے قلوب خالق کائنات کے قبضے میں ہیں وہی ان کے دلوں میں نرمی وشفقت پیدا کرتا ہے اور وہی سختی۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ عمومی طور پر اس وقت نہ ہمارے معاشرے میں دین وشریعت کا کوئی لحاظ ہے اور نہ اس پر عمل ہے، ہمارے اندر جو کچھ دین ہے وہ صرف زبانوں تک محدود ہوتا جارہا ہے۔ہماری نمازیں غائب ہیں، پردہ ہمارے

گھروں سے اٹھ گیا ہے، ہماری بچیاں غیروں کے ساتھ دین وایمان اورعزت وناموس کا سودا کررہی ہیں، بے حیائی وزنا عام ہوتا جارہا ہے، حلال وحرام سے بے پرواہ ہوکر مال کے پیچھے ہم دوڑے جارہے ہیں، اور پھر ناجائز امور وفضولیات میں اسے خرچ کرتے ہیں، ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی کی پرواہ نہیں رہ گئی ہے، اولاً باقاعدہ پورے حساب ونظام کے ساتھ زکوۃ ادا نہیں کی جارہی ہے، بلکہ زکوۃ کے نام پر کچھ رقم نکال دی جاتی ہے، اوراب یہ بھی مسئلہ پیدا ہوگیا ہے کہ جولوگ زکوۃ وصولتے ہیں، ان میں بھی بہت سے لوگ اس کو صحیح مصرف میں خرچ نہیں کرتے۔

جب بھی کہتا ہوں: اے اللہ! میرا حال دیکھ　　　　حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

اس لئے ضروری ہے کہ ہم سب خاص طور پر اس وقت خلوص دل سے تنہائی میں بیٹھ کر اپنے تمام گناہوں سے توبہ واستغفار کریں، آئندہ نافرمانی نہ کرنے کا عہد کریں، اپنے بچوں اوراہل خانہ کو بھی اس کی تلقین کریں، ہر ایک کو گناہ سے بچنے کی نصیحت کریں اور آئے ہوئے حالات کو انتہائی الحاح وزاری سے ہٹانے کی التجاء کریں، قرآن کو سینے سے لگائیں، نبی اکرم ﷺ کی سنت کو حرز جاں بنائیں، ''المسلم اخو المسلم'' (مسلمان مسلمان کا بھائی ہے) کو پیش نظر رکھتے ہوئے متحد ومجتمع ہوکر باطل کے مقابلے میں سیسہ پلائی دیوار بن جائیں، حکمت عملی اور تدبر کو اختیار کرتے ہوئے مضبوط لائحہ عمل تیار کریں۔

علم کو فروغ دیں، سنت کی تبلیغ کریں، اپنے بچوں اورنسلوں کے ایمان کو مضبوط کریں، اپنے گھروں میں شرعی پردے کا اہتمام کریں، خصوصاً اپنی بچیوں اور عورتوں کو کفر الحاد اور گمراہی سے بچانے کی تدابیر کریں، غریب وضرورت مندوں کی مدد کریں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم کامل ومکمل مسلمان ہوجائیں۔ ورنہ نہ ظالم حکمراں ہم پر سے ہٹیں گے اور نہ ہی آئندہ ہماری نسلوں میں دین واسلام بچے گا۔ خدارا ابھی وقت ہے جاگ جاؤ ورنہ بعد میں پچتائے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

یاد رہے: اللہ رب العزت سے رشتہ توڑ کر، اس کے نبی کی سنتوں کو پامال کرکے اور قرآن وحدیث کے احکامات کو پس پشت ڈال کر ہم فلاح ونجات نہ کبھی پائے ہیں اور نہ قیامت تک پاسکتے ہیں۔

****

مصلح ملت حضرت مولانا محمد یار پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

بچوں کو دینی تعلیم دلانا ضروری ہے۔ آخرت میں اس بابت بھی سوال ہوگا کہ دنیا میں بچوں کو کس راہ پر چھوڑ کر آئے ہو۔ مشہور حدیث ہے: ''کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ'' (تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص سے اسکی رعیت کے بارے پوچھا جائے گا۔)

درس قرآن کریم

سورۃ الملک

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝
قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝
قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَآ أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سِيئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا
وَقِيلَ هَٰذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَدَّعُونَ ۝ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللَّهُ وَمَنْ مَّعِيَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ يُجِيرُ
الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ قُلْ هُوَ الرَّحْمَٰنُ آمَنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي
ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَّعِينٍ ۝

ترجمہ:

تو کہہ وہی ہے جس نے تم کو بنا کھڑا کیا اور بنا دیئے تمہارے واسطے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت تھوڑا حق مانتے ہو۔ تو کہہ وہی ہے جس نے بکھیر دیا تم کو زمین میں اور اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔ اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو۔ تو کہہ خبر تو ہے اللہ ہی کے پاس اور میرا کام تو یہی ڈر سنا دینا ہے کھول کر۔ پھر جب دیکھیں گے کہ وہ پاس آ لگا تو بگڑ جائیں گے منہ منکروں کے اور کہے گا یہی ہے جس کو تم مانگتے تھے۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر ہلاک کر دے مجھ کو اللہ اور میرے ساتھ والوں کو یا ہم پر رحم کرے پھر وہ کون ہے جو بچائے منکروں کو عذاب دردناک سے۔ تو کہہ وہی رحمن ہے ہم نے اس کو مانا اور اسی پر بھروسہ کیا سو اب تم جان لوگے کون پڑا ہے صریح بہکائے میں۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر ہو جائے صبح کو پانی تمہارا خشک پھر کون ہے جو لائے تمہارے پاس پانی نتھرا۔

تشریح وتفسیر

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝

(تو کہہ وہی ہے جس نے تم کو بنا کھڑا کیا اور بنا دیئے تمہارے واسطے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت تھوڑا حق مانتے ہو) یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے، مگر تم لوگ شکر

گزارنہیں ہوتے۔

اس سے پہلی آیت میں گمراہ اور ہدایت سے محروم شخص کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جو اوندھے منہ سر جھکائے جامد تقلید کے بندھنوں میں گرفتار خواہشات کا اسیر اور دنیا کے چلن کا پرستار بن کر سر جھکائے چلتا رہتا ہے اور کبھی غور وفکر نہیں کرتا کہ میرا طرزِ عمل صحیح ہے یا غلط۔ اسے ملامت کرتے ہوئے پیشِ نظر آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں انسان بنایا تھا، لیکن تم نے حیوانوں کی روش اختیار کی۔ تمھارا کام یہ نہیں تھا کہ جو گمراہی دنیا میں پھیلی ہوئی ہو اس کے پیچھے آنکھیں بند کر کے چل پڑو۔ اور کچھ نہ سوچو کہ جس راہ پر تم جا رہے ہو وہ صحیح ہے یا غلط۔

اللہ تعالیٰ نے تمھیں یہ کان سننے کے لیے دیئے تھے اور آنکھیں دیکھنے کے لیے اور دل و دماغ سوچنے سمجھنے کے لیے۔ لیکن تم زمانے کی روش میں ایسے مبتلا ہوئے کہ نہ تم نے سر اٹھا کے دیکھا کہ میں جس راستے پر چل رہا ہوں وہ صحیح ہے یا نہیں اور میرے گرد و پیش میں جو نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں وہ کس بات کی شہادت دے رہی ہیں۔ اور نہ تم نے کبھی کسی ہمدرد کی بات سننے کی زحمت گوارا کی۔ اور جو غلط سلط باتیں تمھارے دماغ میں پہلے سے بیٹھی ہوئی تھیں انھیں پر اڑے رہے۔ اور نہ تم نے اپنے دل و دماغ سے کبھی سوچنے سمجھنے کا کام لیا بلکہ تم اس طریقے کی پیروی میں لگے رہے جو دنیا میں کبھی کسی نے جاری کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے علم وعقل اور سماعت و بینائی کی یہ نعمتیں تمھیں حق شناسی کے لیے عطا کی تھیں، لیکن تم نے حق شناسی کی بجائے ناشکری کا رویہ اختیار کر لیا۔ خود ہی اپنی اس روش پر غور کرو کہ تمھیں کیا بنایا گیا تھا اور تم کیا بن چکے ہو۔ (روح القرآن)

یہاں خاص طور پر اعضائے انسانی میں سے ان تین اعضاء کا ذکر ہے، جن پر علم وادراک اور شعور موقوف ہے۔ فلاسفہ نے علم وادراک کے پانچ ذریعہ بیان کئے ہیں، جن کو حواس خمسہ کہا جاتا ہے۔ یعنی سننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا اور چھونا، سونگھنے کے لئے ناک اور چکھنے کے لئے زبان اور چھونے کی قوت سارے بدن میں حق تعالیٰ نے رکھی ہے۔ سننے کے لئے کان اور دیکھنے کے لئے آنکھ بنائی ہے۔

یہاں حق تعالیٰ نے ان پانچوں چیزوں میں سے صرف دو کا ذکر کیا ہے یعنی کان اور آنکھ، وجہ یہ ہے کہ سونگھنے، چکھنے اور چھونے سے بہت کم چیزوں کا علم انسان کو حاصل ہوتا ہے، اس کے معلومات کا بڑا مدار سننے اور دیکھنے پر ہے اور ان میں سے بھی سننے کو مقدم کیا گیا، غور کرو تو معلوم ہوگا کہ انسان کو اپنی عمر میں جتنی معلومات ہوئی ہیں، ان میں سنی ہوئی چیزیں، بہ نسبت دیکھی ہوئی چیزوں کے، بدرجہا زائد ہوتی ہیں۔ اس لئے اس جگہ حواس خمسہ میں سے صرف دو پر اکتفا کیا گیا ہے کہ وہ اصل بنیاد اور مرکز علم کا ہے۔ کانوں سے سنی ہوئی اور آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیزوں کا علم بھی قلب پر موقوف ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات اس پر شاہد ہیں کہ قلب کو مرکزِ علم قرار دیا ہے۔ بخلاف فلاسفہ کے کہ وہ دماغ کو اس کا مرکز مانتے ہیں۔ (معارف)

قُلْ هُوَ ٱلَّذِى ذَرَأَكُمْ فِى ٱلْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝

(تو کہہ وہی ہے جس نے بکھیر دیا تم کو زمین میں اور اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نہایت اعجاز کے ساتھ بعض حقائق کی طرف اشارے فرمائے اور ایک وسیع مضمون کو چند لفظوں میں سمیٹ دیا ہے۔ الفاظ پر غور کرنے سے ایک تمثیل ذہن میں آتی ہے کہ جس طرح ایک کاشتکار زمین میں کاشت کرتا ہے، وقت پر اس کی آبیاری کرتا ہے، چرندو پرند سے اس کی حفاظت کرتا ہے، کھاد کی ضرورت ہو تو کھاد مہیا کرتا ہے۔ تو ہر شخص دیکھنے والا یہ سمجھ لیتا ہے کہ جب یہ فصل تیار ہو جائے گی تو اس کا کاشت کرنے والا اسے کاٹے گا، اس کے دانے اور بھس کو الگ الگ کرے گا اور پھر بھس کو جلا دے گا۔

تو کوئی شخص ایسا سمجھنے والے کی تغلیط نہیں کرتا بلکہ ہر شخص تائید کرتا ہے کہ یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ لیکن حیرانی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انسانوں کی فصل کاشت کی ہے۔ کوئی کسان اپنی فصل کی اتنی دیکھ بھال نہیں کرتا جس قدر پروردگار زمین پر پھیلی ہوئی اپنی فصل کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو وہ نگرانی بھی کرتا ہے اور اسے غذا بھی بہم پہنچاتا ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو عہد بعہد اور حسب ضرورت اس کے لیے امکانات پیدا کرتا ہے اور سامانِ تربیت بہم پہنچاتا اور افزائش کرتا ہے۔ ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی نگاہِ ربوبیت انسان کی نگرانی کرتی اور اس کے لیے ضرورتیں مہیا کرتی ہے۔

جس طرح کاشتکار کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس قدر محنت اٹھانے اور فصل کو پروان چڑھانے کے بعد اسے یونہی چھوڑ دے گا اور وہ فصل ایک دن تباہ ہو جائے گی۔ اسی طرح انسانوں کے بارے میں یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ انسانوں کے قافلے یونہی دنیا میں آتے رہیں گے، اپنا سفر ختم کر کے موت کا شکار ہوتے رہیں گے، حتیٰ کہ ایک روز دنیا کی صف لپیٹ دی جائے گی۔ ایسے کار عبث اور بیکار شغل کا تصور ہم ایک کسان سے تو نہیں کر سکتے تو اللہ تعالیٰ سے کیسے کر سکتے ہیں۔

اس سے خود بخود یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس نے یہ فصل پروان چڑھائی ہے وہی ایک دن اس کو سمیٹے گا اور اکٹھا کرے گا۔ اس کے دانوں کو بھس سے جدا کرے گا اور اسے کھیت میں جمع کر کے بھس کو جلا دے گا۔ اور چونکہ انسانوں کو عقل و شعور دے کر تکلیفِ شرعی کا بھی پابند کیا گیا ہے۔ اس لیے اسے جزاء وسزا سے گزارا جائے گا۔ (روح القرآن)

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝

(اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو، تو کہہ خبر تو ہے اللہ ہی کے پاس اور میرا کام تو یہی ڈر سنا دینا ہے کھول کر)

گزشتہ آیت کریمہ میں وقوعِ قیامت پر عقلی اور واقعاتی دلیل ذکر فرمائی گئی ہے۔ قرآن کریم نے اور بھی متعدد مواقع پر مختلف حوالوں سے قیامت کے آنے پر دلائل قائم کیے ہیں، لیکن منکرینِ قیامت نے ان دلیلوں کے جواب میں یا تو ہٹ دھرمی کا ثبوت دیا یا وقوعِ قیامت کو مستبعد از عقل قرار دے کر اس کا مذاق اڑایا ہے۔ لیکن پیش نظر آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دلائل کے سامنے بے بس ہو کر ان کی آخری بات یہ تھی کہ اگر قیامت کا آنا واقعی حقیقت ہے اور تم اس دعوے

میں سچے ہو تو پھر بتاؤ وہ قیامت کب آئے گی۔

بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات کہنے والے شاید یہ کہنا چاہتے ہوں کہ اگر آپ ہمیں یہ بتادیں کہ قیامت کے آنے کا وقت فلاں ہے تو ہم اس کو تسلیم کرلیں گے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لے آئیں گے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں۔ انھوں نے درحقیقت انکارِ قیامت کے لیے ایک راستہ نکالا تھا۔ انھیں معلوم تھا کہ غیبی حقیقتوں کے بارے میں کبھی متعین وقت نہیں بتایا جاتا۔ کیونکہ اگر متعین وقت بتادیا جائے تو انسانوں کی آزمائش ختم ہوجاتی ہے اور وہ حکمت بھی بیکار ہوجاتی ہے جو ایمان بالغیب میں رکھی گئی ہے۔

ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اولاً تو یہ وقت بتایا ہی نہیں جائے گا تو ہمیں انکار کرنے کا ایک جواز مل جائے گا۔ اور اگر وقت بتادیا گیا تو ہم کہیں گے کہ ٹھیک ہے اگر اس وقت پر قیامت آگئی تو ہمیں اسے مان لیں گے، لیکن آج تو اس کا یقین نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ضرور آئے گی۔ غور کیجیے ایسی صورتحال میں امر واقعہ میں کیا فرق پیدا ہوسکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک لغو معارضہ ہے جس میں کوئی معقولیت نہیں۔ اس لیے کہ دنیا میں کتنی ایسی صداقتیں ہیں جن کے وقوع کی تاریخ اور وقت کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔ لیکن اس صداقت کے بارے میں ہم ہمیشہ بوقتِ ضرورت آگاہی دیتے رہتے ہیں۔

مثال کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہم کسی شخص کے بارے میں یہ نہیں بتاسکتے کہ وہ کب مرے گا، کیونکہ موت کے وقت کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیا۔ لیکن کسی شخص کی غیر محتاط زندگی اور اس کے نامناسب رویئے کو دیکھ کر ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ تمھیں کچھ احتیاط کرنی چاہیے اور اپنے رویئے کے بارے میں غور کرنا چاہیے کیونکہ ایک دن بہرحال تمھیں بھی موت آئے گی۔ اس کے جواب میں کوئی سمجھدار آدمی یہ نہیں کہتا کہ میں تمھاری بات کو تب تسلیم کروں گا جب یہ بتاؤ کہ مجھے موت کب آئے گی۔ کیونکہ اگر یہ بات بتا بھی دی جائے اور واقعی اس روز موت آجائے تو اسے اس کا کیا فائدہ پہنچے گا۔

اس لیے دوسری آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ موت کے وقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ میں تو تمھیں صاف صاف خبردار کرنے کے لیے آیا ہوں تاکہ تم اس کے لیے تیاری کرسکو۔ اور مزید یہ کہ قیامت کے آنے پر ایمان لانا چونکہ نفس ایمان کا حصہ ہے، اس لیے اگر یہ بتادیا جائے کہ فلاں روز قیامت آرہی ہے، تو پھر اس پر ایمان لانا کوئی امتحان نہیں رہے گا کیونکہ کوئی چیز جب غیب سے شہود کی صورت اختیار کرلیتی ہے تو پھر اس کا ماننا یا نہ ماننا برابر ہوتا ہے۔ (روح القرآن)

فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سِيٓـَٔتْ وُجُوهُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَقِيلَ هَٰذَا ٱلَّذِى كُنتُم بِهِۦ تَدَّعُونَ ۝

(پھر جب دیکھیں گے کہ وہ پاس آلگا تو بگڑ جائیں گے منہ منکروں کے اور کہے گا یہی ہے جس کو تم مانگتے تھے)

جو لوگ منہ پھاڑ پھاڑ کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عذاب کو دکھانے کا مطالبہ کرتے تھے یا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ اگر قیامت آنے والی ہے تو وہ آ کیوں نہیں جاتی، آخر وہ کہاں رک گئی ہے۔ اس آیت کریمہ میں

فرمایا جارہا ہے کہ جب اس عذاب یا روزِ قیامت کو قریب آتا دیکھیں گے، عذاب نظر آئے گا کہ سروں پر پہنچ گیا ہے۔ یعنی زمین پھٹ رہی ہے یا سر پر مہیب گھٹا چھا گئی ہے یا سمندر بے قابو ہو گیا ہے یا آگ برسنے لگی ہے، تو یہ لوگ جو بڑھ بڑھ کر مطالبہ کر رہے ہیں، ان کے چہرے بگڑ جائیں گے اور ان کی کیفیت ایسی ہوگی جیسے پھانسی کے تختے کی طرف کھینچے جانے والے مجرم کی ہوتی ہے۔ اس وقت ان کی ساری شیخیاں ہوا ہو جائیں گی۔ ان سب کی سٹی گم ہو جائے گی، چیخنا چلانا شروع کر دیں گے۔ تب ان سے کہا جائے گا کہ اب واویلا کیوں مچا رہے ہو اور یہ تمھاری ہوائیاں کیوں اڑنے لگی ہیں۔ یہ تو وہی چیز ہے جس کا تم مطالبہ کر رہے تھے۔ یہ تمھاری منہ مانگی مراد ہے، اب اس کا مزہ چکھو۔ (روح القرآن)

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ ٱللَّهُ وَمَن مَّعِيَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَن يُجِيرُ ٱلْكَٰفِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝

(تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر ہلاک کر دے مجھ کو اللہ اور میرے ساتھ والوں کو یا ہم پر رحم کرے پھر وہ کون ہے جو بچائے منکروں کو عذاب دردناک سے)

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جب مکہ معظّمہ میں دعوت کا آغاز فرمایا اور آہستہ آہستہ اس کے اثرات پھیلنے لگے تو قریش کے بعض گھرانوں میں بعض لوگ مسلمان ہو گئے، کہیں بیٹا مسلمان ہو گیا، کہیں بیٹی، کہیں بھائی، کہیں چچا، کہیں ماموں، کہیں کوئی کہیں کوئی۔ تو گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے کے باعث، اسلام اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت میں بھی اضافہ ہو گیا۔

جب لوگوں نے دیکھا کہ مخالفت سے اس دعوت کے اثرات ختم ہونے کی بجائے مزید بڑھ رہے ہیں تو پھر انھوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیخلاف تعویز گنڈے اور ٹونے ٹوٹکے شروع کیے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیخلاف بددعائیں ہونے لگیں، حتیٰ کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قتل کے منصوبے باندھے جانے لگے اور ساتھ ہی ساتھ عوام کو اسلامی اثرات سے بچانے کے لیے اشرافِ قریش نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ تم اس دعوت کے اثرات سے پریشان نہ ہو یہ عذاب وغیرہ کی دھمکی محض ایک شخص کی خطابت اور شاعری ہے۔ بہت جلد یہ شخص حوادث کی نذر ہو جائے گا۔ اس کی یہ سب باتیں ہوا میں اڑ جائیں گی۔ یہ ہمیں عذاب سے ڈراتا ہے حالانکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ اور اس کے ساتھی گردشِ روزگار سے بچ نہیں سکیں گے۔ قرآن کریم نے مختلف مواقع پر اس مضمون کو بیان فرمایا۔ سورۃ الطور میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

"اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيۡبَ الۡمَنُوۡنِ۔ قُلۡ تَرَبَّصُوۡا فَاِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُتَرَبِّصِيۡنَ۔"

(کیا یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک شاعر ہے اور ہم اس کے لیے گردشِ روزگار کا انتظار کر رہے ہیں۔ کہہ دیجیے! تم انتظار کرو، میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔) یعنی تم اپنے گمان کے مطابق ہمارے لیے گردشِ روزگار کے منتظر ہو اور ہم تمھارے لیے عذاب کے منتظر ہیں۔ لیکن تقدیری معاملات میں اللہ تعالیٰ کے نبی کبھی جھگڑا نہیں کرتے۔

اس لیے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرمایا گیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان سے کہیئے کہ تم ہمیں

بددعائیں دو یا گردشِ روزگار کا انتظار کرو، لیکن ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔اس نے مجھے یا میرے ساتھیوں کو اگر ہلاک کرنے کا فیصلہ کرلیا تو وہ اس پر قادر ہے یا وہ ہم پر رحم فرمانا چاہتا ہے تو وہ اس کا بھی حق رکھتا ہے۔لیکن تمھارے سوچنے کی یہ باتیں نہیں کہ ہم ہلاک ہوتے ہیں یا نہیں۔اس لیے کہ ہماری ہلاکت سے تمھارا کوئی کام متعلق نہیں۔تمھارے سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ تم اپنے بارے میں سوچو۔کہ جس عذاب سے ہم تمھیں ڈرا رہے ہیں اگر وہ عذاب آ گیا اور تم نے اپنا رویہ نہ بدلا تو عذاب ضرور آئے گا تو پھر تم بتاؤ کہ تمھیں اس عذاب سے یا اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے کون بچانے والا ہے۔(روح القرآن)

مقصد یہ ہے کہ ہم پر دنیا میں جو گزرے گی وہ تو گزر کر رہے گی، اور کامیابی ہو یا ناکامی، ہر حالت میں اس کا انجام مومنین کے حق میں اچھا ہی ہے۔تم اپنی خبر لو، اور اپنے لئے فکر کرو، کہ تمہارے کفر و انکار کا انجام کیا ہوتا ہے۔(ماجدی)

یہ بھی ممکن ہے کہ کفار آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وصحابہ کرام (رض) کو برا بھلا کہتے تھے اور کوستے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے معبودوں کو نہیں مانتے، یہ جلد ہلاک و برباد ہوں گے۔اس کے درجواب یہ کہا گیا کہ ہمارا کام اللہ کے ہاتھ میں ہے چاہے ہلاک کرے، چاہے بچالے مگر تم کو تمہارے معبود عذاب الیم سے کسی طرح بچا نہیں سکتے۔

ہم کو ہلاک کرے یا مہربانی کرے شک کے طور سے نہیں کہا، بلکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے اوپر اور اپنے گروہ کا مہربانی پر بھروسہ کامل تھا اور آپ کو وعدہ دیا گیا تھا لیکن ایسے محل پر مخالف ہٹ دھرم سے اسی طرح کی گفتگو کی جایا کرتی ہے۔اسی لیے اس کے بعد فرماتا ہے:

قُلۡ هُوَ ٱلرَّحۡمَٰنُ ءَامَنَّا بِهِۦ وَعَلَيۡهِ تَوَكَّلۡنَاۖ فَسَتَعۡلَمُونَ مَنۡ هُوَ فِي ضَلَٰلٖ مُّبِينٖ ۝

(تو کہہ وہی رحمن ہے ہم نے اس کو مانا اور اسی پر بھروسہ کیا سو اب تم جان لو گے کون پڑا ہے صریح بہکائے میں)

کہ ان سے کہہ دے وہ رحمان یعنی نہایت مہربانی کرنے والا ہے، ہم اسی پر ایمان لائے اور اسی پر ہمارا ہر کام میں بھروسہ ہے۔بے شک وہ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں، ایمان لانے والوں کو نوازتا ہے۔

تمہارے بت ہمارا کچھ بھی نہ کرسکیں گے، تم ایسے بیہودہ خیالات کی صریح گمراہی میں ہو، ابھی تم کو معلوم ہو جائے گا۔'' فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ '' کہ کون صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے؟ ابھی سے کیا مراد؟ موت کے بعد جو قریب ہے یا وہ بلائیں جو عنقریب تم پر آنے والیاں ہیں چنانچہ قحط آیا مقہور ہوئے۔یا یہ مراد کہ خدا پاک نورِ ہدایت کو پھیلاتا جاتا ہے، ابھی تم کو بعد میں معلوم ہو جائے گا کہ ہم صریح گمراہی میں تھے، چنانچہ تھوڑے دنوں کے بعد ہزاروں لاکھوں اسلام کے نور سے منور ہوئے اور بعد میں مقر ہو گئے کہ ہم گمراہی میں تھے، قیامت کے دن کو قیامت بظاہر دور ہے مگر آنے والی ہے اور آنے والی دور بھی نزدیک ہوتی ہے۔(حقانی)

آخر سورت میں پھر ایک جملہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ زمین پر بسنے والو اور اس کو کھود کر کنوئیں بنانے والو اور اس کے

پانی سے اپنے پینے پلانے اور نباتات اگانے کا کام لینے والو، اس بات کو نہ بھولو کہ یہ سب چیزیں کوئی تمہاری ذاتی جاگیر نہیں، صرف حق تعالیٰ کا عطیہ ہے کہ اس نے پانی برسایا اور اس پانی کو برف کی شکل میں بحرِ منجمد بنا کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر لاد دیا کہ سڑنے اور خراب ہونے سے محفوظ رہے۔ پھر اس برف کو آہستہ آہستہ پگھلا کر پہاڑوں کی عروق کے ذریعہ زمین کے اندر اتار دیا اور بغیر کسی پائپ لائن کے پوری زمین میں اس کا ایسا جال پھیلا دیا کہ جہاں چاہو زمین کھود کر پانی نکال لو۔ مگر یہ پانی جو اس نے زمین کی اوپر ہی کی سطح پر رکھ دیا ہے جس کو چند فٹ یا گز زمین کھود کر نکالا جا سکتا ہے یہ مالک وخالق کا عطیہ ہے اگر وہ چاہے تو اس پانی کو زمین کے نیچے کی سطح پر اتار دے جہاں تک تمہاری رسائی ممکن نہ ہو۔ چنانچہ فرمایا:

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَن يَأْتِيكُم بِمَآءٍ مَّعِينٍ ۝

(تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر ہو جائے صبح کو پانی تمہارا خشک پھر کون ہے جو لائے تمہارے پاس پانی نتھرا۔) یعنی آپ ان لوگوں کو بتلا دیجئے کہ اس بات پر غور کریں کہ جو پانی کنوؤں کے ذریعہ با آسانی نکال کر پی رہے ہو اگر وہ پانی زمین کی گہرائی میں اتر جائے تو تمہاری کونسی طاقت ہے جو اس جاری پانی کو حاصل کر سکے۔ (معارف) اس میں ان کے بتوں کی کمزوری اور خدائے تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر دلیل بھی ہے، اس لئے کہ کفار بھی اس بات کو مانتے تھے کہ اللہ تعالی کے سوا اور کوئی نہیں ہے، جو خشک پانی کو لے آسکے۔

بس میرا بادشاہ (رب کائنات) بابرکت، جس نے برکت کے یہ سامان کئے، اس پر بھی قادر ہے کہ وہ پانی کہ جس پر تمہاری زندگی کا مدار ہے خشک کر دے، پھر وہ قادر نافع وضار ہے یا تمہارے معبود؟ میرے معبود کے ہاتھ تمہاری جان ہے، تمہارے معبودوں کے ہاتھ میرا کچھ بھی نہیں۔ (حقانی)

حدیث میں ہے کہ جب آدمی یہ آیت تلاوت کرے تو اس کو کہنا چاہے ''اللہ رب العاملین'' یعنی اللہ رب العالمین ہی پھر اس کو لا سکتا ہے ہماری کسی کی طاقت نہیں۔ (معارف)

****

تحقیقاتِ اسلامی محض ایک ماہ نامہ یا رسالہ نہیں ہے، بلکہ ایک دینی، علمی، اصلاحی اور فکری تحریک ہے، جس کا مقصد مغربی تہذیب اور اس کے عریاں وفحش لٹریچر سے متاثر افراد کے رُخ کو موڑ کر قرآن وحدیث کی تعلیمات اور اسلامی تہذیب وتمدن کی جانب مائل کرنا ہے۔ قارئین حضرات سے درخواست ہے کہ اس تحریک سے جڑیں، گھر گھر اسے پہنچانے میں ہمارا تعاون کریں اور لوگوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں۔ (ادارہ)

درس حدیث

دور حاضر اور علامات قیامت

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

طلاق کے بعد بھی میاں بیوی ساتھ رہیں گے:

عَنْ عَبدِ اللّٰہِ بنِ مَسعُوْدٍ قَالَ: یَأْتِي عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یُطَلِّقُ الرَّجُلُ الْمَرْأَۃَ، ثُمَّ یَجْحَدُھَا طَلَاقَھَا، فَیُقِیْمُ عَلَی فَرْجِھَا، فَھُمَا زَانِیَانِ مَا أَقَامَا۔ (طبرانی اوسط: 4861)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ مرد عورت کو طلاق دینے کے بعد طلاق کا انکار کردے گا، پھر اُسی (مطلقہ) کے ساتھ زنا کرے گا اور جب تک وہ دونوں ساتھ رہیں دونوں ہی زنا کرنے والے ہوں گے۔

حدیث پاک میں جو کچھ فرمایا گیا ہے آج معاشرے میں یہی نہیں کہ ہورہا ہے، بلکہ بکثرت ہورہا ہے، آئے دن کتنے واقعات علم میں آتے رہتے ہیں کہ شوہر، طلاق کے بعد بھی بیوی کے ساتھ رہ رہا ہے اور اگر کوئی پوچھ لے تو لڑائی پر آمادہ ہوجائے یا طلاق کا انکار کردے۔

ایسا ہی ایک واقعہ میرے علم میں آیا کہ شوہر نے بیوی کو آٹھ دس طلاق ایک ساتھ دی، پھر کچھ دن گھر سے غائب رہا اور محلے والوں کو معلوم ہوگیا کہ فلاں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، یہ بات محلے والوں سے عورت اور اس کے باپ ہی نے بتائی۔ کچھ دن کے بعد واپس آکر ساتھ رہنے لگا۔ انھیں دنوں میں اتفاق سے وہی آدمی ایک دن مجھے ملا، میں نے اس سے طلاق والی بات معلوم کی، اور کہا کہ تم اس کے ساتھ کیسے رہ رہے ہو۔ اس نے صاف طور پر طلاق کا انکار کردیا اور کہا آپ کو غلط خبر دی گئی ہے۔

اس طرح کا یہ ایک ہی واقعہ نہیں ہے، اور بھی بہت سے واقعات علم میں آتے رہتے ہیں، بعض عورتوں کے میرے پاس فون آئے، وہ مسئلہ معلوم کررہی تھیں کہ شوہر نے طلاق دی، اور اب کہتا ہے کہ طلاق کی بات کسی سے نے بتاؤ اور میرے ساتھ بیوی کی طرح رہو۔ اسی طرح بکثرت اب ایسے واقعات بھی ہورہے ہیں کہ شوہر نے طلاق نہیں دی، بیوی نے جھوٹ بات پھیلادی کہ مجھے طلاق ہوگئی ہے اور پھر دوسرے مرد کے ساتھ شادی رچالی۔

ایک دور تھا کہ معاشرے میں اگر کوئی، کھلے عام برائی کررہا ہے، تو لوگ نکیر کرتے تھے، معاشرتی بائیکاٹ کرتے تھے، اور برادری سے ٹاٹ باہر کرکے برائی سے رکنے پر مجبور کرتے تھے۔ لیکن یہ پکڑ دھکڑ اب ختم ہوگئی اور کوئی کسی برائی پر نکیر کرنے کی ہمت نہیں کرتا، اس لئے ہر شخص جو دل چاہتا ہے کرتا ہے، نہ شریعت اور دین وایمان کا پاس ولحاظ ہے اور نہ خاندان اور معاشرے کا۔ حدیث شریف میں بطور پیشین گوئی کے یہ بات بتائی گئی تھی، جو آج حرف بحرف صادق ہے۔

سچ اور جھوٹ

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

سچ بولنا وہ صفت ہے، جو انسان کی روح کی پاکیزگی اور نیک نیتی پر دلالت کرتی ہے اور اس کی شرافت و نجابت کو بیان کرتی ہے، معاشرے میں اسے وقار و عظمت عطا کرتی ہے، شجر محبت والفت کی آبیاری کرتی ہے، آپسی اعتماد و وقار کو بحال کرتی ہے، اور معاشرے کے بندھن کو مضبوط کرتی ہے۔ بلاشبہ سچائی ہی اچھائی ہے، اور سچائی ہی میں نجات ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

''تحروا الصدق وان رأیتم ان الھلکة فیہ فان فیہ النجاة'' (الترغیب والترہیب)

(سچ کو تلاش کرو، اگرچہ تمہیں اس میں ہلاکت معلوم ہو، اس لیے کہ نجات (اسی سچ بولنے) میں ہے۔)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سچائی کے فوائد وثمرات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

سچ بولنے والا تین باتوں کو حاصل کر لیتا ہے۔

(۱) لوگ اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔

(۲) لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔

(۳) اس کی مصیبت چھوٹ جاتی ہے۔

سچائی جتنی پسندیدہ چیز ہے، جھوٹ اتنا ہی ناپسندیدہ ہے۔ قرآن شریف صریحی طور پر جھوٹ بولنے والوں پر لعنت بھیجتا ہے:

''فَنَجعَل لَعنَتَ اللہِ عَلَی الکَاذِبِینَ'' (آل عمران)

(پس لعنت کریں اللہ کی ان پر جو کہ جھوٹے ہیں۔)

یہی نہیں بلکہ اسلام کا تو تصور یہ ہے کہ وہ شخص کہ جس کے دل میں ایمان رس بس گیا ہو، اور شجر ایمان نے جڑ پکڑ لیا ہو، وہ جھوٹا ہو ہی نہیں سکتا، جھوٹ تو کوئی کافر یا منافق ہی بولتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

''اِنَّمَا یَفتَرِیْ الکَذِبَ الَّذِینَ لَا یُؤمِنُونَ بِآیَاتِ اللہِ'' (نحل)

(جھوٹ وہی گھڑتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر ایمان نہیں رکھتے ہیں)

صداقت وسچائی جتنی پسندیدہ صفت ہے، جھوٹ اتنا ہی ناپسندیدہ ہے۔ سچائی بہترین صفت ہے اور جھوٹ بدترین صفت۔ جو شخص راست گفتار ہوتا ہے اور راہ راست پر چلتا ہے، وہ رنج وافسوس سے دور رہتا ہے اور اس کے ایمان کی شمع

ہمیشہ فروزاں رہتی ہے۔ وہ شخص قلق واضطراب سے امان میں رہتا ہے اور افکار پریشاں سے بہت دور رہتا ہے۔

اس کے بالمقابل اگر جھوٹ بولنے کی عادت پڑ جائے اور انسان بات بات میں جھوٹ بولنے لگے، تو اس جھوٹے کی عظمت اس طرح ہوا ہو جاتی ہے، جیسے موسم خزاں میں درخت کے پتے، یا شیشوں سے بنے ہوئے مکان پر برستے ہوئے پتھر۔ جھوٹ انسان کی ناپاکی وخیانت کی روح کو تقویت دیتا ہے اور ایمان کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو خاموش کر دیتا ہے۔ جھوٹ رشتۂ الفت واتحاد کو توڑ دیتا ہے اور عداوت ونفاق کے بیج معاشرے میں بو دیتا ہے۔

گمراہوں، فاسقوں اور منافقوں کی زیادہ تر باتیں اور وعدے جھوٹے ہوتے ہیں، ایسے لوگ اپنے فاسد مقاصد کی تکمیل کے لیے اپنی شیریں بیانی اور کذب لسانی سے، سادہ لوح لوگوں کو وقتی طور سے تو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں اور اپنی رطب اللسانی کی زنجیر میں اسیر کر لیتے ہیں۔ لیکن جب جھوٹ کا پردہ فاش ہوتا ہے تو پھر ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

نبی اکرم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کو پیغام ہے:

" عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِى إِلىٰ البِرِّ وَإِنَّ البِرَّ يَهْدِىْ إِلىٰ الجَنَّةِ ،وَمَا يَزَال الرَّجُلُ يَصْدِقُ وَيَتَحَرىَ الصِّدْقَ حتّٰى يُكْتُبَ عِندَ اللهِ صِدِّيْقاً۔ وَإِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَإِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِىْ الىٰ الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِىْ الىٰ النَّارِ، وَمَايَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرىَ الْكِذْبَ حتىٰ يُكْتَبَ عِندَاللهِ كَذَّابًا"۔(متفق علیہ)

"سچ بولنے کو اپنے اوپر لازم کر لو، کیوں کہ (ہمیشہ اور پابندی کے ساتھ) سچ بولنا، نیکوکاری کی طرف لے جاتا ہے (یعنی سچ بولنے کی خاصیت یہ ہے کہ نیکی کرنے کی توفیق ہوتی ہے) اور نیکوکاری (نیکوکار کو) جنت کے (اعلیٰ درجات) تک پہنچاتی ہے اور (یاد رکھو) جو شخص ہمیشہ سچ بولتا ہے اور ہمیشہ سچ بولنے کی سعی کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ اور تم اپنے آپ کو جھوٹ بولنے سے باز رکھو، کیوں کہ جھوٹ بولنا فسق وفجور کی طرف لے جاتا ہے (یعنی جھوٹ بونے کی خاصیت یہ ہے کہ برائیوں اور بدعملیوں کے ارتکاب کی طرف رغبت ہوتی ہے) اور فسق وفجور (فاسق وفاجر کو) دوزخ کی آگ میں دھکیلتا ہے۔ (یاد رکھو) جو شخص بہت جھوٹ بولتا ہے اور (زیادہ سے زیادہ) جھوٹ بولنے کی سعی کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی یہاں کذاب یعنی بڑا جھوٹا لکھا جاتا ہے۔

"اللہ تعالیٰ کے یہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اس کو وصف صدیقیت کا حامل اور مقام صدیقیت پر فائز قرار دیا جاتا ہے اور اس اونچے درجے کے وصف ومقام کے اجر وثواب کا مستحق گردانا جاتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ملاء اعلیٰ کے پاس جس کتاب میں تمام بندوں کے اعمال لکھے ہوئے ہیں اس میں مذکورہ شخص کا نام صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور یا یہ کہ دنیا میں لوگ ایسے شخص کو اپنی کتابوں اور قلم پاروں میں صدیق کے نام سے لکھتے اور یاد کرتے ہیں۔ اس صورت میں اس ارشاد کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ ایسا شخص اللہ تعالی کی طرف سے لوگوں میں انتہائی معزز ومکرم ظاہر کیا جاتا ہے اور لوگوں کے دلوں پر اس شخص کا لقب "صدیق" القا کیا جاتا ہے اور ان کی زبانوں پر اس کے اس لقب کو جاری کر دیا جاتا

ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کو سچا و صادق سمجھتے ہیں اور اس کی سچائی و صداقت میں رطب اللسان رہتے ہیں، اس مفہوم کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

''إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا۔''

(جن لوگو نے ایمان قبول کیا اور نیک اعمال کئے اللہ تعالیٰ ان کی محبت لوگوں کے دلو میں ڈالے گا۔)

اسی طرح ''اللہ کے نزدیک کذاب لکھا جاتا ہے'' کا مطلب بھی یا تو یہ ہے کہ جھوٹ بولنے والے شخص کے بارے میں یہ فیصلہ دیا جاتا ہے کہ یہ شخص جھوٹا ہے اور اس کے لیے وہ سزا مقرر کر دی جاتی ہے جو جھوٹوں کے لیے مخصوص ہے، یا یہ کہ اس شخص کے بارے میں لوگوں کی نظروں اور دلوں میں یہ بات ظاہر کر دی جاتی ہے کہ یہ شخص انتہائی نا قابل اعتبار ہے، اس طرح گویا اس کو جھوٹا مشہور کر دیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے اور ہر شخص اس سے بغض و نفرت کرنے لگتا ہے۔

جھوٹ اور گناہ کی شناعت و قباحت اس وقت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے جب کہ یہ جھوٹ ایسے شخص سے بولا جائے اور ایسے شخص کو اس کے ذریعہ دھوکہ دیا جائے جو اسے سچا سمجھتا ہو، چنانچہ مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات کہو، جو تم جھوٹ کہہ رہے ہو اور وہ تمہیں سچا سمجھے۔''

پس جھوٹ کے برے انجام کو دیکھنا اور اس کے بارے میں غور و فکر کرنا اور دین و دنیا میں اس کے برے نتائج کو سوچنا ہر شریف دوست اور متفکر انسان کے لیے ایک بزرگ ترین درس عبرت ہے، حقیقت کمال کا حصول ایمان کے زیر سایہ ہی ہوا کرتا ہے اور جہاں پر کمال حقیقی نہیں ہوتا وہاں سعادت و آسائش بھی نہیں ہوتی ہے۔

ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: میری سعادت بختی کے لیے آپ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جھوٹ چھوڑ دو اور ہمیشہ سچ بولا کرو۔ وہ شخص جواب پا کر چلا گیا، اس کے بعد اس نے کہا: میں بہت ہی گنہگار تھا، لیکن میں ان گناہوں کے چھوڑنے پر مجبور ہو گیا، کیوں کہ گناہ کرنے کے بعد اگر مجھ سے پوچھا جاتا اور میں سچ بول دیتا تو سب کے سامنے رسوا ہو جاتا اور لوگوں کی نظروں سے گر جاتا اور اگر جھوٹ بولتا تو دستور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا، اس لیے میں نے تمام گناہ چھوڑ دیئے۔

مدرسہ کھولا ہے دوکان نہیں!

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی

ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس سرہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) ایک دن ہمیں وصیت کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ: ”دیکھو بھائی یہ میں نے مدرسہ کھولا ہے، کوئی دوکان نہیں کھولی ہے، اور میں اس کو ہر قیمت پر چلانے کا مکلف بھی نہیں ہوں، میں اس کا مکلف ہوں کہ اپنی حد تک اس کو چلانے کی جتنی کوشش ہو سکتی ہے وہ کروں اور اس کو ہمیشہ چلاتے رہنے کا بھی مکلف نہیں ہوں، لہذا جب تک اصولِ صحیحہ کو برقرار رکھتے ہوئے اس کو چلا سکو تو چلاؤ، لیکن جس دن اس کو چلانے کے لیے اصولِ صحیحہ کو قربان کرنا پڑے اس دن اس کو تالا ڈال کر بند کر دینا، کیونکہ مدرسہ بذاتِ خود مقصد نہیں، بلکہ (مقصد) اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور وہ اس وقت حاصل ہو سکتی ہے، جب مدرسہ اصولِ صحیحہ پر چلایا جائے، یہ کوئی دوکان نہیں ہے کہ اس کا ہر حال میں چلتے رہنا ضروری ہو، اس کو بند کر کے کوئی اور دھندا دیکھ لو، کوئی اور کام کر لو۔“

یہ ایسی کانٹے کی بات فرمائی تھی کہ عام طور سے جب مدرسے قائم کیے جاتے ہیں، تو دماغ میں یہ ہوتا ہے کہ اس کو ہر حال میں چلانا ہی ہے، اگر صحیح راستہ اختیار کیے ہوئے نہیں چلتا تو غلط راستہ اختیار کر لو، لیکن وہ کہتے تھے کہ غلط راستے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، تو جب صحیح راستے سے نہیں چل رہا ہے تو بند کرو، آخرت میں سوال نہیں ہوگا کہ تم نے بند کیوں کر دیا، ساری عمر اسی اصول پر عمل فرمایا، مدرسوں کے اندر جو جذبات ہوتے ہیں ان کی کبھی رعایت نہیں کی۔

جب ”دارالعلوم“ نانکواڑہ سے یہاں منتقل ہو رہا تھا، تو آپ لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ یہ جگہ کیا تھی، ایسا ویرانہ اور ریگستان، اور صحرا تھا کہ جس میں دور دور تک نہ پانی، نہ بجلی، نہ فون، نہ پنکھا، نہ بس اور (نہ ہی) کوئی اور آمد ورفت کا ذریعہ، بس ڈیڑھ میل دور جا کر ملتی تھی وہ بھی سدا جنگل تھا۔ پانی شرافی گوٹھ کے کنویں سے بھر کر لاتے تھے، یہاں پانی نہیں تھا، ایسی جگہ مدرسہ قائم کیا تھا۔

اس وقت بہت سے ایسے اساتذہ جو بڑے مشہور تھے اور ہمارے ہاں پڑھا رہے تھے وہ یہاں آنے پر تیار نہیں تھے، اس لیے کہ یہاں کی زندگی بڑی پُر مشقت تھی، بہت سے حضرات اور بڑے بڑے اساتذہ جن میں چند ایسے اساتذہ بھی تھے جو دارالعلوم کی بنیاد سمجھے جاتے تھے وہ چلے گئے، ان کے جانے سے ظاہر ہے مدرسے کے اوپر اثر پڑتا تھا، تو لوگوں نے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جا کر کہنا شروع کر دیا کہ جب اتنے بڑے بڑے اساتذہ چلے گئے ہیں، تو مدرسہ کیسے چلے گا؟ لہذا کسی مشہور استاذ کو خط لکھ دیں کہ آپ ان کو بلانا چاہتے ہیں، لیکن والد صاحب نے کہا کہ یہ میرے اصول

کے خلاف ہے، میں یہ نہیں کرسکتا کہ ایک مدرسے کو اجاڑ کر، دوسرا مدرسہ آباد کروں، لہذا اگر کوئی کہیں کام کر رہا ہے، تو میں اس کو ''بیع علی بیع أخیہ'' نہیں کروں گا، ہاں اگر خود سے اللہ تعالیٰ عطا فرمادیں تو یہ دوسری بات ہے۔

ایک سال ایسا ہوا کہ دورۂ حدیث شریف کی جماعت میں میں بارہ یا تیرہ طالب علم تھے، لوگوں نے کہا کہ دورۂ حدیث کی جو جماعت ہے اور بارہ تیرہ طالب علم ہیں، کہا کوئی ضروری تھوڑا ہی ہے کہ طلبہ کی بھیڑ جمع کریں، ہمارے جو صحیح طریقے ہیں ان سے ہم جتنا کر پا رہے ہیں اسی کے مکلف ہیں، چاہے وہ بارہ ہوں یا دس ہوں یا پانچ ہوں، ایک بھی نہ ہو نہ سہی، لیکن اصولِ صحیحہ کو قربان کر کے طلبہ کی جماعت بڑھادوں یہ نہیں کروں گا، سالہا سال یہ صورت حال رہی، کئی سال تک یہ صورت حال رہی کہ لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ بھائی دیکھو، فلاں مدرسے میں اتنے طالب علم ہیں اور اس میں بارہ چودہ طالب علم ہیں، فرماتے: وہ ہوا کرے، ہمیں کوئی جماعت بڑھانا تھوڑا ہی مقصود ہے، ہمارا مقصد دین کی خدمت ہے، چاہے وہ جس طرح بھی ہو جائے، کسی کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹائیں گے، ایک استاذ کافی ہے، کسی نے کہا کہ حضرت یہ تو حالتِ ضرورت اور اضطرار ہے، انھوں نے جواب دیا کہ صاحب! یہ مولویانہ تاویلات چھوڑو، میں یہ کام نہیں کروں گا، جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ خود کہیں سے چھوڑنا چاہتے ہیں ان کو بلالوں گا، ساری عمر یہی کام کیا۔ یہ پلے باندھنے کی باتیں ہیں، جب مقصود دین ہی ہے، پھر ہر معاملے میں دین کی تعلیم کو مدنظر رکھنا ہے اور اس پر عمل کرنا ہے، یہ نہیں کہ مدرسے کے لیے اور معیار ہے اور دوسروں کے لیے اور معیار ہے۔

****

عیش وعشرت کے ساتھ قوم کی حالت نہیں بدلی جاسکتی

مولانا نثاراحمد حصیر قاسمی

دین ومذہب کی مثال مدرسہ کی سی ہے جہاں بچوں کو خوبیوں کی تعلیم دی جاتی اوراچھائیوں اور نیکیوں کا خوگر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، مذہب اسلام ایسی ہی درس گاہ کی طرح ہے جو اپنے ماننے والوں کو نیکیوں، بھلائیوں اور حسن اخلاق کا خوگر بناتی اور تہذیب وتمدن اور عمدہ عادات واطوار سے آراستہ کرتی ہے، وہ بچپن سے اس کی تربیت کرتی اور قدم قدم پر اس کی راہ نمائی کرتی ہے، تاکہ انسان کی نشوونما اس طرح ہو اور وہ اس حال میں بڑا ہو کہ اس کے اعمال واقوال، تعامل وسلوک، بات چیت، کردار وطرزِ عمل اور اس کے ساری حرکات وسکنات اور زندگی کے تمام میدانوں وگوشوں میں پختگی آچکی ہو۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس دین حنیف کا ہر ماننے والا کمال انسانی کے پورے پورے حصے کو پانے والا ہوتا ہے؛ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذہب اسلام کا مقصد اپنے ماننے والوں کو انسانیت کے عروج تک پہنچانا ہے، اس دین حنیف کی مثال ایک ہاسپٹل جیسی ہے، جس میں ہر انسان شریک ہوسکتا ہے، ہر کوئی یہاں علاج حاصل کرتا اور بیماری کی مناسبت ونوعیت کے اعتبار سے اس کا علاج کیا جاتا ہے، وہ اس ہاسپٹل میں شریک رہتا اور اس علاج سے مستفید ہوتا ہے، پھر وہ بیماری سے شفایاب ہوکر یہاں سے ڈسچارج ہوتا ہے، کسی کا علاج چند دنوں کا ہوتا ہے اور کسی کو مہینوں اس میں برقرار رہنا پڑتا ہے، کسی کی بیماری معمولی ہوتی ہے اور کسی کی خطرناک، مگر سب کا علاج ہوتا ہے اور عموماً اللہ کے فضل سے سب یہاں سے شفایابی وصحت پاکر نکلتے ہیں۔ مگر صحت کے باوجود عافیت میں ہر کوئی یکساں نہیں رہتا، کسی کو مکمل عافیت حاصل ہوتی ہے اور کسی کو کم، کوئی اس طرح نکلتا ہے جیسے اسے کوئی بیماری لاحق ہی نہ ہوئی ہو اور کوئی پوری زندگی کمزوری ولاغری اور پرہیز ودوا کے سہارے جیتا ہے۔

لیکن اگر کسی کو بیماری لاحق ہوجائے اور وہ علاج کرانا نہ چاہے، دوا استعمال کرنے سے انکار کردے اور ہاسپٹل میں شریک رہنے کے باوجود ڈاکٹروں کے مشورہ پر عمل نہ کرے اور ہزار سمجھانے کے باوجود دواؤں اور علاجوں کے استعمال سے جی چرائے اور اپنی ضد پر اڑا رہے تو کیا اسے شفایابی حاصل ہوسکتی ہے؟ کیا یہ ہاسپٹل جہاں سب کا علاج ہوتا ہے، اس بیمار کو کام آسکے گا؟ کیا اس کی اس حماقت کی وجہ سے ہاسپٹل کے دروازے اس پر بند نہیں ہوں گے؟ کیا ڈاکٹر اس کی ضد سے مایوس ہوکر اسے باہر نہیں کردیں گے؟

اسی طرح اسلام اپنے ماننے والوں کے لیے ہر طرح کی دوا اور ہر طرح کا علاج فراہم کرتا ہے، اس کے دل کی بیماریوں کو دور کرنا چاہتا ہے، اسے صحت مند دیکھنا چاہتا ہے، ہر طرح کی اندرونی بیماری سے اسے پاک کرنے کی سعی کرتا ہے، لیکن اس دین کا ماننے والا اگر ان دواؤں اور علاجوں کو استعمال کرنے سے انکار کردے وہ اس دین حنیف کے ڈاکٹروں کی بات ماننے سے اپنے کان بند کرلے اور وہ اپنی بیماری کے ساتھ زندگی گذارنے پر اڑا رہے، تو فطری طور پر اسے اللہ کی رضاو خوش نودی سے دور کردیا جاتا ہے، اس پر اللہ کی عنایتوں کے دروازے بند ہوجاتے ہیں اور وہ اللہ کی رحمتوں سے بہت دور ہوجاتا ہے اور وہ اس مقام تک پہنچنے سے قاصر رہ جاتا ہے جو مقام اس کے لیے بنایا گیا تھا، کیوں کہ اس مقام تک مفسدین ومحرومین اور خواہشات نفسانی کے طلب گار نہیں پہنچتے اور نہ ہی زمین میں برتری جتانے اور تکبر کرنے والے اور دوسرے بندوں کو حقیر جاننے والے پہنچتے ہیں۔

دین وایمان اللہ رب العزت سے ایسا تعلق ہوتا ہے، جو ایسے ایمان والوں کو بلندیوں تک پہنچاتا ہے، جنہوں نے اپنے آپ کو شر و فساد کی گندگی اور معاصی و گناہ کے جذبات سے صاف کررکھا ہو اور اپنی روح کو پاک اور اپنے باطن کو نکھار رکھا ہو، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ روحانی بلندی اور صفائے قلبی یوگا جیسی ورزشوں کے ذریعہ یا مراقبہ کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے، خواہ اس کا ایمان اللہ پر ہو یا نہیں، وہ اللہ کے بنائے ہوئے نظام کائنات اور اس کی قدرت وکرشمہ سازیوں میں غور وفکر کرنے والا ہو یا نہ ہو، اس کی نشانیوں میں تدبر کرنے والا ہو یا نہ ہو، نماز قائم کرتا اور زکوٰۃ ادا کرتا ہو یا نہ ہو، اس طرح کا تصور جن لوگوں کا ہے درحقیقت وہ دھوکے میں ہیں، اللہ کے پرہیز گار بندوں میں نہ ان کا کوئی مقام ومرتبہ ہے، نہ کوئی وزن، بلکہ وہ گم راہی میں پڑے ہوئے اور شیطان کے اسیر بنے ہوئے ہیں۔

کیوں کہ انسان اور انسانیت کے کمال کا پہلا اور بنیادی ستون اللہ پر ایمان رکھنا، اس کی الوہیت وربوبیت کا اقرار کرنا، اس کے وجود اور اس کی قدرت کاملہ پر یقین رکھنا اور ساتھ ہی یہ اعتقاد بھی رکھنا ہے کہ اللہ ہی خالق ورازق ہے، اسی کے سامنے جھکنا، اسی سے مدد طلب کرنا، اسی کے اتارے ہوئے کلام سے فیصلہ طلب کرنا اور ہر مشکل کا حل اسی میں تلاش کرنا ہے، سچا مسلمان اپنی کتاب ہدایت سے مربوط و بندھا ہوتا ہے اور اس کا رشتہ سنت نبوی سے جڑا اور مستحکم ہوتا ہے کہ اس سنت نبوی نے ہی قرآنی احکام کو نافذ کیا اور اس کے مقاصد کو اجاگر کیا ہے، اسی نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو قرآنی ہدایات سے مستفید ہونے اور اس کی روشنی سے اجالا حاصل کرنے کے قابل بنایا ہے۔

سچے مسلمان کا ضمیر کبھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتا، بلکہ ہر وقت وہ اسے یاد رکھتا ہے، وہ صبح نیند سے بیدار ہوتے ہی اللہ کے سامنے کھڑا ہوجاتا اور اس سے راہ نمائی طلب کرتا اور اس کی عطاو بخشش کا طلب گار رہتا ہے، اس کا یہ عمل صبح صبح اس وقت ہوتا ہے جب کہ ابھی وہ زمین کے گوشوں میں پھیلے ہوئے رزق کو تلاش کرنے اور اس کی جدوجہد میں مصروف ہونے کے لیے اپنے گھر سے قدم باہر نہیں نکالتا ہے، پھر جب وہ گھر سے نکلتا اور اللہ کو یاد کرتے ہوئے دن گذارتا ہے اور شام میں

تھکا ماندا گھر لوٹتا ہے تو اللہ کی رحمتیں اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔

”من أمسی کالاً من عمل یدہ بات مغفوراً له“ (جو شخص اپنے ہاتھ کے عمل سے بوجھل ہوکر شام کرتا ہے، وہ اس حال میں رات گذارتا ہے کہ اس کی مغفرت ہوچکی ہوتی ہے)۔ اب وہ شام میں اپنے بستر پر جانے سے قبل پھر اللہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور عشاء کی نماز ادا کرتا ہے، اس طرح اپنے عمل کا آغاز اللہ کے سامنے کھڑے ہوکر اور اس کا اختتام بھی اسی طرح کھڑے ہوکر کرتا ہے، سچا مسلمان ایسا ہی ہوتا ہے، اس کے سوا اور اس کے برخلاف جو بھی ہوتا ہے وہ نام کا تو مسلمان ہوسکتا ہے، صحیح معنوں میں وہ مسلمان نہیں۔

بہت سے انسان، جنہیں پالتو جانور بھی کہا جاسکتا ہے، کا کہنا ہے: ﴿وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً﴾ (الکھف: 36) (ہم قیامت آنے پر یقین نہیں رکھتے)، کوئی کہتا ہے: ”ان ھی الا ارحام تدفع وأرض تبلع، وما یھلکنا إلا الدھر“ (یہ انسانی زندگی تو بس یہ ہے کہ رحم مادر ہمیں اس دنیا میں پھینک دیتی ہے اور پھر یہ زمین ہمیں نگل لیتی ہے اور ہمیں تو گردش ایام ہی ہلاک کرتا ہے۔) اور کچھ وہ ہیں جو قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اس دنیا سے جانے کے بعد انہیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا اور اس دنیوی زندگی کے علاوہ کوئی اور زندگی نہیں ہے: ﴿وَأَقْسَمُواْ بِاللّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لاَ يَبْعَثُ اللّهُ مَن يَمُوتُ﴾ (النحل 38) (لوگ بڑی سخت سخت قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ مردوں کو اللہ تعالی زندہ نہیں کرے گا)۔

اس دنیا میں انسان محکوم بھی ہیں اور بادشاہ وحکمراں بھی، قائدین اور لیڈران بھی ہیں اور بھلے وبرُے بھی، ہر ایک کو دوبارہ اٹھایا جائے گا اور ان سے ہر ہر نقل وحرکت کے بارے میں بازپرس کی جائے گی، اس زندگی کے لیے جنہوں نے مکمل تیاری نہیں کی ہے ان کی حالت بڑی بُری اور افسوس ناک ہوگی۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”رب کاسیة في الدنیا عاریة یوم القیامة“ (بہت سے دنیا میں بالباس ہیں، جو قیامت کے دن بے لباس ہوں گے)۔

آج دنیا میں مسلمانوں کی اکثریت اپنے دین سے منحرف نظر آرہی ہے، انہوں نے اپنا رشتہ دین سے منقطع کررکھا ہے، وہ دین وایمان اور اسلامی شریعت کی بات تو نہیں مانتے اور نہ اس کے کسی حکم پر عمل کرتے ہیں، مگر بڑے بھونڈے انداز میں بات بات پر ان شاء اللہ، بارک اللہ، اللہ یعافیک، ماشاء اللہ، اللہ تیرا بھلا کرے، اللہ تجھے خوش رکھے، اللہ نے چاہا تو، یا اس طرح کے کلمات اپنی زبانوں سے ضرور ادا کرتے ہیں، جب کہ انہیں نہ اللہ پر یقین ہوتا ہے اور نہ اس کے احکام کا پاس ولحاظ ہوتا ہے، انہوں نے زندگی میں کبھی مسجد کا رخ نہیں کیا، ان کا دل ویران اور اللہ کی یاد سے بالکل خالی ہے، اس کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اور دوسرے مسلمانوں کی اصلاح ان کی ذمہ داری ہے، چاہے یہ اصلاح سراپا ضلال وفساد ہی کیوں نہ ہو۔

وہ اپنے الحاد واباحیت پسندی کے ذریعہ دیندار اور پابند شریعت مسلمانوں کو راہ راست پر لانا چاہتے ہیں اور خواہش رکھتے ہیں کہ سارے مسلمان اپنا رشتہ اللہ سے توڑ کر ان جیسے بن جائیں، جہاں زندگی کے لیے نہ کوئی قید وبند ہو نہ

کوئی رکاوٹ، نفس جو بھی کہے آنکھ بند کرکے اس کی تکمیل کی جاتی رہے: ﴿أُوْلَئِکَ کَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ﴾ (الاعراف:179)(وہ جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ اس سے بھی بدتر۔)

اس دنیا میں جب کوئی شخص کسی کے ساتھ احسان کرتا ہے تو اس شخص کو اس کا احسان مند ہونا پڑتا ہے اور جو کوئی احسان فراموشی کرتا ہے، اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اس کے لیے دل تنگ ہوجاتا ہے، اسی طرح خالق کائنات، جس کے احسانات پیدائش سے موت تک، صبح سے شام تک، ہر لمحہ وہر گھڑی انسان پر ہوتے رہتے ہیں، اس محسن کی احسان فراموشی بھی موجب تحقیر بنتی ہے۔

اللہ تعالی نے اپنی شریعت اتار کر اور اپنے پیارے نبی کو مبعوث کرکے ہمیں بتادیا ہے کہ ہمیں زندگی کس طرح گذارنی ہے۔ اسلام اور کفر کی لڑائی روز اول سے جاری ہے، تاریخ کا کوئی باب ایسا نہیں جس میں یہود ونصاری نے ہمارے خلاف جنگ نہ چھیڑی ہو، ان کی ریشہ دوانیاں اور ہمیں ختم کرنے کی تدبیریں کبھی نہیں رکیں، انہوں نے ہمارا شکار کرنے کے لیے اخیر کے زمانہ میں ہمارے گرد جو جال بچھایا ہے ان میں سے ایک حد سے زیادہ لذتوں اور خواہشات نفسانی کی تکمیل ہے، انہوں نے ہمارے عوام وخواص کو عیش وعشرت کے ہر ممکنہ ساز وسامان فراہم کرکے انہیں بے دست و پا اور نکما بنادیا ہے اور وہ اپنی عیاشی میں ڈوب کر ان کے اسیر بن گئے ہیں، اب وہ ان سے جو چاہتے ہیں کراتے ہیں، حد تو یہ ہے کہ ان کے ذریعہ وہ دوسرے مسلمانوں کا قتل کراتے اور اس پر ایوارڈ تقسیم کرتے ہیں۔

اس مغربی افکار کی یلغار نے دین حق کے نشانات کو مٹادیا اور اس کی جگہ ہمیں ایسے رسم ورواج اور عادات واطوار کا خوگر بنادیا ہے جس کے بارے میں ہم گمان کربیٹھے ہیں کہ یہ بھی ہمارے دین کا حصہ ہے، یا ہمارے دین سے ہم آہنگ ہے۔ ہمارے کل اور آج کے یہ دشمن ہم سے یہی چاہتے تھے کہ ہم نام سے تو مسلمان باقی رہیں، مگر ہماری روح اور قلب مغرب کے تابع ہو، ہم ان کے غلام بن جائیں وہ ہمیں جدھر چاہیں ہانکتے رہیں۔

آج مسلمانوں کی غالب اکثریت خواہشات کی غلام بنی ہوئی ہے، اس غلامی نے گناہوں کے دروازے کھول دیے ہیں اور وہ اس میں جوق درجوق داخل ہورہے ہیں، میں نے کچھ دنوں قبل عربی اخبار الشرق میں شائع شدہ ایک رپورٹ پڑھی تھی کہ فلسطین میں ایک کرسچن اسکول ہے، جہاں پوری قوت سے مسلمان عرب بچوں کو کرسچن بنایا جاتا ہے، اس اسکول کے ڈائرکٹر سے رپورٹ طلب کی گئی کہ گزشتہ سال آپ نے کتنے فلسطینی عرب مسلم بچوں کو کرسچن بنایا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ مجھ سے سوال نہ کیا جائے کہ میں نے کتنے کو کرسچن بنایا، بلکہ یہ سوال کیا جائے کہ ہم نے ان کے ذریعہ کتنے پھاوڑے اور سبل (ازمیل، کھنتی) تیار کئے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے ہمیں ایسا ہی بنادیا ہے، ہم ان کی تعلیمات وہدایات اور ان کی تربیت کے ذریعہ خواہشات اور شہوتوں کے غلام بن کر، دین ومذہب اور ایمان واسلام کی بلند وبالا عمارت کو خود اپنے ہاتھوں سے منہدم کرنے

میں لگے ہیں، ان کا کام صرف مشورہ دینا اور بتانا ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے، باقی ساری انہدامی کارروائیاں ہم خود انجام دیتے اور اس میں اپنی پوری قوت صرف کر دیتے ہیں، اس کے لیے ہم اپنا خون پسینہ ہی نہیں، بلکہ اپنا سارا سرمایہ اس میں جھونک دیتے ہیں کہ کسی طرح اسلام کا نام لینے والے پنپ نہ پائیں اور وہ ہماری عیاشی و بدکاری اور شہوت پرستی میں رخنے نہ ڈال سکیں۔

آج عالم عرب ہی نہیں سارے مسلمان ملکوں کی حالت ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ ساری دنیا میں اس وقت سچے مسلمانوں کو حیوانیت کے طوفان کا سامنا ہے، جس میں مغرب اور بھی شدت پیدا کرنے کی تدبیریں کر رہا ہے؛ جب کہ یہ طوفان اسی کی پیداوار ہے، مسلمان جب تک شہوت پرستی، راحت طلبی اور نفس کی غلامی سے نکل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے نہیں تھامیں گے، انہیں اس طوفان اور سیلِ رواں سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

آج بھی سچے مسلمان، امانت دار صحافی اور دیانت دار اہل قلم موجود ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ دانش ور طبقہ ذرا ہمت کرے اور کسی لومۃ لائم کی پروا کیے بغیر نفس کی غلامی کے خلاف علم بغاوت بلند کرے اور عوام کے اندر شعور بیدار کرے اور انہیں باور کرائے کہ ہماری نجات کا راستہ نفس کی غلامی میں نہیں، بلکہ کتاب و سنت کے بتائے ہوئے راستے کی پیروی کرنے اور میراث محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لیے مشعل راہ بنانے میں ہے، جب تک ہم اس میراث کی حفاظت کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے نہیں بنیں گے، ہمیں نہ دنیا کی بھلائی نصیب ہوگی نہ آخرت کی، نہ ہمیں آزادی حاصل ہوگی نہ سعادت، نہ ہماری عزت ہوگی نہ سرخ روئی اور نہ ہماری موجودہ بدتر و زوال پذیر حالت تبدیل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿بَشِّرِ الْمُنَافِقِيْنَ . . . لِلّٰهِ جَمِيْعاً﴾ (النساء:39-38) (منافقوں کو اس بات کی خبر پہنچا دیں کہ ان کے لیے دردناک عذاب یقینی ہے، جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں، کیا ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں؟! تو یاد رکھیں کہ عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔:

﴿يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَتَحَاكَمُوْا . . . ضَلَالاً بَعِيْداً﴾ (النساء:60) (وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، (ان سے فیصلے طلب کرتے ہیں) حالاں کہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ شیطان کا انکار کریں، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے۔)

تعلیمِ نسواں

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ

ترقی کا پہلا زینہ: تعلیم کا مسئلہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے۔ دنیا کی کوئی قوم بغیر تعلیم کے ترقی نہیں کرسکتی، کسی قوم کی ترقی کا پہلا زینہ تعلیم ہے۔ اسلام میں بھی سب سے پہلے پڑھنے ہی کی آیت نازل ہوئی اور فرمایا: ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ﴾ (العلق: 1) اسلام سے قبل کا زمانہ بداخلاقی، بداعمالی، اور برائیوں سے بھرپور تھا، لیکن اس زمانے کا نام بداخلاقی اور بداعمالیوں کا زمانہ نہیں رکھا، بلکہ اس کا نام جہالت کا زمانہ رکھا، معلوم ہوا کہ ہر برائی کا سرچشمہ جہالت ہے اور اس کے مقابلہ میں اسلام کا بنیادی سرچشمہ تعلیم ہے۔ تعلیم کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جتنا اہتمام کیا اور کسی چیز کے بارے میں نہیں کیا، سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، تو ان کے کھانے، پہننے اور پینے کا انتظام نہیں کیا، بلکہ اولاً تعلیم کا بندوبست کیا، جیسے: ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْأَسْمَاءَ کُلَّھَا﴾ (البقرۃ: 31) کہ انہیں اشیا کے نام سکھلا کر ملائکہ سے مقابلہ کرایا اور وہ کام یاب ہوئے تو خلافت سے بہرہ ور کیا اور خلافت کا تاج سر پر رکھا۔ اس کے بعد فرمایا: ﴿اسْکُنْ أَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ﴾ تو رہنے سہنے کا انتظام بعد میں ہوا، پہلے تعلیم کا انتظام کیا۔ معلوم ہوا کہ علم اور تعلیم کا بہت درجہ ہے۔

دنیا ایک تعلیم گاہ ہے: بغیر تعلیم کے حیوان اور انسان میں فرق نہیں کیا جاسکتا۔ اور پھر اس پر اکتفا نہیں کہ باپ کو تعلیم دیتے اور بس کرتے، بلکہ اولاد کو بھی تعلیم دی۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت پر دایاں ہاتھ مارا تو نیک اولاد نکلی اور بایاں ہاتھ مارا تو بری اولاد نکلی اور اس کے بعد تمام کو وادی ذاران میں جمع کر کے ان (دونوں) سے خطاب کیا۔ اور فرمایا: ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوا بَلٰی﴾ (الاعراف: 172) تو اس سے بھی مقصود تمام کو تعلیم دینا تھی ربوبیت کے بارے میں کہ میں تمہارا رب ہوں۔ تو اس سے بھی تعلیم کا اہتمام معلوم ہوا، گویا دنیا ایک مدرسہ ہے اور تمام انسان اس کے طالب علم ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے معلم ہیں اور انبیا علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے خصوصی شاگرد ہیں، تو دنیا کی پیدائش کا مقصد تعلیم ہے اور اس کے بعد عبادت ہے، حسن معاشرت ہے۔

تعلیم کے سلسلے میں ضرورت پڑتی ہے کہ طالب علم کے لیے وظیفہ ہو، تا کہ کھانا پینا اور رزق حاصل ہو تو اس کے لیے زمین اور دریا بنائے، مطالعہ کے لیے روشنی کی ضرورت ہوتی ہے تو چاند ستارے اور سورج کو پیدا کیا، تو جب ہم اس دنیا سے قبر میں جائیں گے اسی تعلیم سے متعلق سوال ہوگا "مَنْ رَّبُّکَ؟" اور اس کا امتحان ہوگا، یہ اول امتحان ہوگا اور بڑا امتحان میدان حشر میں ہوگا۔ کچھ کام یاب ہوں گے اور کچھ نا کام۔ کام یاب کو انعامات دیے جائیں گے اور نا کام کو سزا دی جائے گی اور اس امتحان میں تمام شریک ہوں گے۔ اس میں بوڑھے، جوان اور بچے کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اگر چہ عالم ارواح میں تو تمام

کی روح یکساں تھیں، مگر آخر عمر کے اعتبار سے کہ جو پیدائش کے بعد جلدی مرے گا تو وہ بچپن اور جو جوانی میں مرے گا وہ جوان اور جو بڑھاپے میں وہ بوڑھا، تو ان روحوں میں بھی جوان، بچے اور بوڑھے اس اعتبار سے تھے، اس لیے تعلیم کا اتنا لحاظ رکھا گیا کہ جوان، بچے اور عمر رسیدہ تمام سے امتحان ہوگا، تو تعلیم ایک بنیادی چیز ہے اور دنیا کے آباد کرنے کا مقصد یہی ہے۔

عورتوں کی تعلیمی ذمہ داری اور اس کے نتائج و اثرات: تعلیم کا سلسلہ عورتوں کے لیے بھی بہت ضروری ہے۔ اس لیے کہ ابتدائی تربیت یہیں سے شروع ہوئی ہے۔ قوم کی تعلیم کا دارومدار ماں کی تعلیم پر ہے، اگر وہ جاہل ہے تو قوم جاہل رہے گی الا ماشاء اللہ، جس کی فطرت سلیم ہوا گر وہ عالم ہوئی تو اولاد بھی عالم ہوگی، اگر والدہ کے قلب میں تعلیم کی طرف رغبت موجود ہو تو بچے بھی اس کی رغبت سے فیض یاب ہوں گے، اگر ماں خود رغبت سے خالی ہے تو بچے بھی ایسے ہی رہیں گے۔ اس لیے سب سے پہلے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس وقت بھی سب سے پہلے اس کی تعلیم کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ دائیں کان میں اذان دی جاتی ہے، جس میں توحید و رسالت اور عبادت کی تعلیم ہے، تو اس اذان کے ذریعے اصول و فروع عقائد و اعمال کی تعلیم دی جاتی ہے اور حی علی الفلاح میں اس کا انجام اور نتیجہ بھی بتا دیا جاتا ہے کہ فلاح اور کامیابی ہے، جو آخرت میں تمہیں میسر ہوگی تو ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے اسلام میں تعلیم کا کتنا بڑا مرتبہ اور درجہ ہے، اسی لیے اس پر زور دیا گیا ہے:

"طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ ومُسْلِمَةٍ" (معجم الاوسط للطبرانی) علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے، تاکہ علم حاصل کرنے کے بعد ہر مسلمان مرد و عورت کو معلوم ہو جائے کہ میں کیسا مسلمان ہوں اور مسلمان کے کیسے اخلاق ہونے چاہئیں، چھوٹوں سے شفقت اور بڑوں سے ادب و احترام سے پیش آنا، رہنے سہنے اور حسن معاشرت کا طرز عمل معلوم ہو، اس لیے تعلیم واجب قرار دے دی گئی ہے تمام پر، خواہ مرد ہو یا عورت، اس کے بعد دوسرے اعمال کی تعلیم دی جاتی ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اس کو عبادت کی طرف متوجہ کر دیا جائے۔ تو حقیقت میں یہ مقصد عورتوں سے ہی حاصل ہوتا ہے کہ جب ماں تعلیم یافتہ ہوگی، بچے کو بھی تعلیم سے آشنا کر دے گی، جس سے اس کے اخلاق سدھر جائیں گے اور اگر بالفرض ماں بچے کو تعلیم نہ بھی دے، مگر وہ ماں نیکوکار اور بااخلاق ہے تو اس کی نیکوکاری اور حسنِ اخلاق کی برکت سے اولاد بھی دین دار بن جائے گی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو قوم میری فرماں برداری کرتی ہے تو میں اس کی سات پشتوں تک اور نسلوں تک رحمت کو بھیجا کرتا ہوں اور اگر فرماں برداری نہیں کرتی اس کی سات پشتوں تک لعنت بھیجا کرتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ والدین کی نیکوکاری اور بدکاری کا بڑا اثر ہے جو سات پشتوں تک جاتا ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ والدین جیسے ہوں ویسے ہی ان کے بچے بھی اثر قبول کرتے ہیں۔ اگر والدین عالم ہیں تو بچے میں بھی علم کا اثر ہوگا کہ وہ جائز و ناجائز کے مطابق گفت و شنید کرتا ہوگا۔ اگر دکان دار ہیں تو بچے میں بھی دکان داری کے اثرات، حساب وغیرہ کچھ نہ کچھ موجود ہوں گے۔ اگر والدین کھیتی باڑی کرتے ہیں تو بچے میں بھی اس کا اثر موجود ہوگا، تو یہ اثر ہے ماں کے ماحول کا بچے پر اثر ہوگا۔ اب سب سے پہلا حق انسان پر اپنے نفس کا ہے۔ دوسرا حق اولاد کو پڑھانا کہ وہ صحیح

راستہ پر چلے، یعنی مخلوق کا ہے اور تیسرا حق معاشرے کا ہے اور یہ تینوں علم پر موقوف ہیں تو جتنا علم حاصل کریں گے خاندان علمی بنتا جائے گا اور ماحول خوش گوار ہوتا جائے گا۔

ملکہ کے تقوے کا اس کی اولاد پر اثر: امیر عبدالرحمن خان والی کابل کے دادا امیر دوست محمد کا واقعہ ہے کہ اس کے ملک پر کسی نے چڑھائی کی، اس کی سرکوبی کے لیے اس نے ایک فوج اپنے ولی عہد شہزادے کے ہاتھ بھیجی، دو تین دن بعد اطلاع آئی کہ شہزادے کو شکست ہوئی اور وہ دوڑتا ہوا آ رہا ہے اور دشمن اس کے پیچھے ہے، اس سے بادشاہ کو بہت صدمہ ہوا اور کئی غم سوار ہوئے۔ شکست کا غم، شہزادے کی کم زوری کا اور قوم کی ملامت کا، تو وہ اس غم کے اندر محو ہو کر گھر آیا اور بیگم صاحبہ سے تمام قصہ سنایا۔ بیگم نے کہا کہ یہ سارا قصہ غلط ہے۔ امیر نے کہا: سی آئی ڈی کی رپورٹ ہے، وہ کیسے غلط ہو سکتی ہے؟ مگر بیگم نہ مانی کہ شکست ہرگز نہیں ہو سکتی، تو بادشاہ گھر سے نکل آیا کہ یہ عورت ہے۔ یہ مرغے کی ایک ٹانگ ہانکے گی۔ دوسرے دن اطلاع آئی کہ وہ خبر غلط ہے، شہزادہ فتح پا کر واپس آ رہا ہے۔ اس پر بیگم نے شہزادے کی سلامتی اور فتح یابی پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

بادشاہ نے پوچھا، تجھے کیسے معلوم ہوا تھا کہ وہ شکست نہیں کھا سکتا؟ کیا دلیل ہے تیرے پاس کہ میری پوری حکومت کو تو نے جھٹلایا؟ اس نے کہا کہ کچھ نہیں، صرف اللہ تعالی نے میرے لاج رکھ لی، یہ میرا راز ہے، میں اس کو فاش نہیں کرنا چاہتی۔ آخر اصرار کرنے پر بتایا، جب شہزادہ میرے پیٹ میں آیا تو میں نے اس وقت سے عہد کر لیا تھا کہ میرے پیٹ میں مشتبہ لقمہ نہیں آنا چاہیے، اس لیے کہ حلال غذا سے اچھی طبیعت اور اچھے اخلاق بنتے ہیں اور حرام غذا سے طبیعت فاسد ہوتی ہے اور اخلاق رذیلہ پیدا ہوتے ہیں۔ یہ شہزادہ نو مہینے تک میرے پیٹ میں رہا اور ایک لقمہ غذا کا میں نے ایسا نہیں کھایا جو مشتبہ ہو، اس لیے اس کے اخلاق رذیل اور برے نہیں ہو سکتے۔ شہید ہونا یہ اچھا خلق ہے اور پشت پھیرنا یہ اچھا خلق نہیں ہے، تو شہزادہ شہید ہو سکتا ہے اور کٹ کر مر سکتا ہے، مگر پشت پھیر کے فرار نہیں ہو سکتا۔

اور پھر اس پر بس نہیں، بلکہ جب یہ شہزادہ پیدا ہوا تب بھی مشتبہ غذا استعمال نہیں کی، تاکہ اس غذا سے دودھ بن کر اس کے اخلاق پر اثر انداز نہ ہو۔ اور جب دودھ پلاتی تو وضو کر کے اور دو رکعت نفل ادا کر کے پلاتی، اس لیے ان چیزوں سے شہزادے کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں، اس لیے میں نے تمہاری ساری فوج اور حکومت کی بات کو جھٹلایا، مگر اپنے قول سے باز نہیں آئی۔

جب امیر دوست محمد کی بیگم اتنی متقی بن سکتی ہے جب کہ آرام و عیش کے تمام اسباب موجود ہیں۔ تخت پر بیٹھ کر متقی بن سکتی ہے تو ہماری آج کل کی بہنیں جھونپڑیوں میں رہ کر کیوں کامل نہیں ہو سکتیں؟ جو رکاوٹیں ان کو تھیں وہ تمہیں نہیں۔ بعض لوگ حیلہ جو ہوتے ہیں اور ہر کام اور ہر بات میں حیلہ تلاش کرتے ہیں، مگر حیلوں سے کچھ نہیں بنے گا۔ اور یہی حیلہ کرنے والے قیامت کے دن بھی حیلہ سازی کریں گے اور کہیں گے کہ ہمیں وقت نہیں ملا، اس لیے اطاعت نہیں کی، بلکہ دولت میں مشغول رہے اور اس سے فرصت نہیں ملی تو اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان اور حضرت یوسف علیہما السلام کو پیش کریں گے کہ باوجود اتنی دنیا اور دولت کے اللہ کے مقبول بندے اور نبی ہیں۔

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی مقام: ایسے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے مردانِ ہمت تھے، ان کی عورتیں بھی ایسی تھیں اور ایسے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن بھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میری وحی کا آدھا علم صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور آدھا علم صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سیکھو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہت بڑے بڑے درجہ کے تابعین رحمہ اللہ علیہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ شاگرد رہے ہیں، تو جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وحی کا آدھا علم سیکھ سکتی ہیں تو آج کل کی بہنیں ابتدائی حالاتِ اسلام کے اور معاملات کا علم بھی حاصل نہیں کرسکتیں؟ حضرت امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ علیہ کی حدیث کی کتاب کا املا ان کی لڑکی نے لکھا تھا، آج تمام اُمت پر اس کا احسان ہے۔ حضرت رابعہ بصری رحمہا اللہ بڑے صوفیا میں سے گزری ہیں۔

عورت اور منصبِ افتا: فقہ کی کتاب "بدائع الصنائع" کی وجہ تصنیف یہ ہوئی کہ ایک بہت بڑے محدث کی لڑکی بڑی عالم اور محدث تھی اور اس کے ساتھ ساتھ حسین اور خوب صورت تھی، بہت بڑے بڑے علما کے پیغام نکاح کے آئے اور ایسے ہی سلاطین وغیرہ نے بھی پیغام بھیجے، مگر تمام سے اس لڑکی کا علم زیادہ تھا، اس لیے پیغام قبول نہیں ہوتا تھا، اس لڑکی نے یہ شرط مقرر کی کہ تمام علم فقہ میں کتابیں تصنیف کریں، جس کی کتاب مجھے پسند ہوگی میں اس سے نکاح کرلوں گی اس پر ہزاروں کتابوں کی تصنیف ہوئی تو اسے بدائع الصنائع پسند آئی، اور اس سے اس نے نکاح کیا۔ آج کل اگر ہماری بہنیں کمال اور مہارت حاصل نہ کرسکیں تو کم از کم حقوق کی ادائیگی کا علم تو حاصل کرلیں کہ خاوند کے یہ حقوق ہیں اور بچوں کے یہ حقوق ہیں۔

مقصدِ علم: اور "وقائع" میں لکھا ہوا ہے کہ سلجوقی کے عہد میں مدرسہ نظامیہ بنایا گیا، شیخ تقی الدین ابن دقیق العید اس مدرسہ کے صدر مدرس تھے، بعد عرصہ مدید کے معلوم ہوا کہ پڑھنے والوں کی نیتیں فاسد ہیں تو بادشاہ وقت نے ارادہ کیا کہ مدرسے کو ختم کردوں، مگر خیال آیا کہ ایک دفعہ دیکھ لوں کہ واقعی سب کی نیتیں فاسد ہیں کہ نہیں؟ چناں چہ ایک رات نظام الملک خود آیا، ایک ایک طالب علم سے سوال کرتا رہا تم کس لیے پڑھ رہے ہو؟ کوئی جواب دیتا کہ میرا والد بادشاہ کا قاضی ہے، میں اس لیے پڑھ رہا ہوں میں کہ میں بھی قاضی بن جاؤں۔ کوئی کہتا کہ میرا والد بہت معروف اور مشہور عالم ہے۔ اطراف میں اس کی شہرت کا ڈنکا بج چکا ہے، تو میں اس لیے پڑھ رہا ہوں کہ میری بھی شہرت ہوجائے۔ وغیر ذلک۔

نظام الملک نے تمام طلبا کو دیکھا کہ ان کی نیتیں فاسد ہیں، تو تہیہ کرلیا کہ مدرسے کو بند کردیا جائے۔ میرے لاکھوں روپے ضائع ہورہے ہیں۔ صحیح نیت سے کوئی نہیں پڑھتا کہ ثواب حاصل ہوجائے، اس فیصلہ پر پہنچ چکا تھا کہ اس کی نظر ایک طالب علم پر پڑی، جو مطالعہ میں مستغرق تھا۔ نظام الملک اس کے پاس گیا، مگر اس طالب علم نے کتاب سے ایک لمحہ کے لیے نگاہ نہ اٹھائی۔ پوچھا: تم بڑے مستغنی ہو؟ کہا: میرا مقصد کتاب کا مطالعہ کرنا ہے، چہروں کا مطالعہ کرنا نہیں۔ نظام الملک نے پوچھا: تمہارا ایک دو منٹ کے لیے حرج تو ہوگا لیکن یہ بتاؤ کہ آپ کا اس پڑھنے سے مقصد کیا ہے؟ تو اس نے کہا: میں نے ماں باپ سے سنا ہے ہمارا ایک خدا ہے جس نے ہمیں زندگی عطا کی ہے۔ وہ ایک محسن ہے اور اس کے حقوق مجھے معلوم نہیں تو میں محسن کے حقوق جاننے

کے لیے تعلیم حاصل کر رہا ہوں۔ نظام الملک نے کہا: میرا تو ارادہ اس مدرسے کے توڑنے اور بند کرنے کا تھا، لیکن جب تک تم اس مدرسہ میں پڑھتے رہو گے تمہاری وجہ سے مدرسہ جاری رہے گا۔ یہ طالب علم حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تھے۔ چناں چہ نظام الملک نے اس مدرسے کو باقی رکھا۔ معلوم ہوا اصلی مقصد علم سے حقوق کی ادائیگی ہے اور ہم میں سے کون ہے جس پر حقوق نہیں ہیں۔ مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا، تمام پر حقوق ہیں، تو ان حقوق کے بتلانے کے لیے تعلیم سکھائی جاتی ہے۔

تعلیم حق فطرت و عقل ہے: تعلیم ایک فطری چیز ہے کہ فطرتاً محسن کا حق ادا کرنا چاہیے اور عقلی بھی ہے، تو جو جاہل ہے وہ فطرت اور عقل دونوں کے خلاف کر رہا ہے اور احکام شرعیہ وعقلیہ کے خلاف کر رہا ہے، ہمیں اپنی بچیوں سے یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ محسن کشی کریں گی اور عقل وفطرت کو آگ لگائیں گی۔

عورت کی صلاحیت: اکثر عورتوں کو یہ خلجان اور شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ترقی اور علم وفضل کا میدان مردوں کے لیے ہے اور عورت تو گھر میں بیٹھنے والی ہے، اس کو علم سے کیا واسطہ؟ مگر ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ تاریخ اس کو جھٹلاتی ہے، بلکہ کتابوں سے عورتوں کے بڑے فضائل معلوم ہوتے ہیں۔ "صفة الصفوة" ایک کتاب ہے، اس میں مستقل عورتوں کا ایک باب باندھا گیا ہے۔ ان کی سیاست، ان کی تعلیم اور جہاد کا بیان ہے، حتیٰ کہ عورتوں کی کشتی کا بھی بیان ہے کہ انھوں نے کشتی میں بڑے بڑے بہادر مردوں کو پچھاڑ دیا، تو تاریخ اس کو جھٹلاتی ہے، بلکہ عورتوں نے میدان جنگ میں کام کیا ہے۔

عورت کی نبوت: دوسری بات یہ ہے کہ دین مردوں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ ہاں! بعض چیزیں ایسی ہیں جو مردوں کے ساتھ خاص ہیں۔ جیسے رسالت اور قاضی القضاۃ کا عہدہ کہ عورت رسول اور قاضی القضاۃ نہیں بن سکتی، کیوں کہ اس کی قابلیت عورت میں نہیں، مگر سب سے بڑا کمال جو نبوت کا ہے، ایک بڑی جماعت اس پر ہے کہ عورت کو نبوت مل سکتی ہے۔ ابن حزم بھی یہی کہتے ہیں، اگر چہ جمہور کا یہ مسلک نہیں، جس جماعت نے اس کا قول لیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر وحی آتی رہی، تو وہ نبی ہیں، فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہا نبی تھی، تو جب اس قول کے مطابق عورت کو نبوت، جو ایک اعلیٰ درجہ کا کمال ہے، اس کا حصول ممکن ہے تو اور کیا کمال چاہیے؟ اور کون سی فضیلت ہے جس کو وہ حاصل نہیں کر سکتی؟ قرآن مجید میں ہے: ﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ... الآيَة﴾ (الاحزاب:35) اس آیت میں مرد اور عورت کو برابر کا درجہ دیا ہے۔ عبادات، اخلاق اور معاملات میں یکساں ہیں تو مبدائے فیاض سے فرق نہیں، عقل اور نقل اس کو جھٹلاتی ہے، حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ اہتمام تعلیم کا ہے۔

عورتوں کی دینی ترقی: انبیا علیہم السلام کو بھی اس کا اہتمام ہے، امت کے بڑوں اور نامور لوگوں کو بھی اس کا اہتمام ہے، تو کیا وجہ ہے کہ ہماری بچیاں جہل کو چھوڑ کر دینی تعلیم کی طرف نہیں آسکتیں۔

اسلام تمام دُنیا کا بھلا چاہتا ہے

محمد ناصر ندوی پرتاپ گڑھی

اسلام وہ دین ہے جو رحمت وشفقت، امن وعدل اور ساری دنیا کے لئے خیر کا پیغام لے کر آیا۔ محض ایک قوم یا علاقے کی اصلاح کے لئے نہیں، بلکہ پوری انسانیت کی نجات وفلاح اور بھلائی کے لئے اُترا ہے۔ اس کا مخاطب صرف ''مسلمان'' نہیں، بلکہ: ''یَاأَیُّهَا النَّاس'' (اے لوگو!) کہہ کر ہر انسان کو مخاطب کیا گیا۔ اس کی روشنی صرف عرب یا عجم کے لئے مخصوص نہیں، بلکہ شرق و غرب، شمال وجنوب، کالے گورے، مرد وزن، امیر وغریب، عالم وجاہل سب ہی اس کے دائرۂ خیر میں برابر شریک ہیں۔

اسلام نے انسان کو اس کی اصل پہچان دی: ''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ'' کہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی۔ اس عزت کا دائرہ محدود نہیں، بلکہ وہی انسان اسلام کی نظر میں مکرم ہے جس میں تقوی ہو، جو ظلم سے بچے، حق کو پہچانے، اور عدل پر قائم رہے۔ اسلام نے پوری دنیا کے لئے جو نظام دیا ہے، اس کا ہر گوشہ ''بھلائی'' سے لبریز ہے، عبادات ہوں یا معاملات، اخلاق ہوں یا سیاست، تعلیم ہو یا معیشت، امن ہو یا جنگ۔ اسلام کی ہر تعلیم میں انسانیت کے لئے آسانی، مساوات اور عمومی بھلائی کی جھلک نظر آتی ہے۔

اسلام نے انسان کو محض جسمانی مخلوق نہیں سمجھا، بلکہ اس کی روح وعقل، ارادہ اور احساس کو بھی تسلیم کیا، اور اس کی ہر ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہدایت دی۔ اگر وہ گمراہ ہو تو اسے راہ دکھائی، اگر وہ ٹوٹا ہوا ہو تو اسے سہارا دیا، اگر وہ بھوکا ہو تو اسے کھلانے کا حکم دیا، اگر وہ ظلم میں مبتلا ہو تو اس کے لئے انصاف کی راہ ہموار کی۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''الخلق عیال الله'' مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اور جس نے اللہ کے کنبے کے ساتھ بھلائی کی، وہ دراصل اللہ کے قریب ہوا۔ اسلام صرف نفع بخشی کا دین ہے، نہ کسی پر زبردستی، نہ کسی سے نفرت، نہ کسی کی تحقیر۔ بلکہ: ''لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّين'' دین میں کوئی جبر نہیں۔ یہی وہ آفاقی روح ہے جو اسے ہر دور میں محبوب اور ہر انسان کے لئے خیر خواہ بناتی ہے۔

اسلام کسی جغرافیہ یا نسل کا دین نہیں، بلکہ ربّ العالمین کا دیا ہوا پیغام ہے۔ وہ نبی جسے ''رحمة للعالمين'' بنا کر بھیجا گیا، اُس کی دعوت بھی ''للعالمین'' ہے، اسلام کا نظریہ ہے کہ زمین پر فساد نہ ہو، امن ہو، ہر انسان کو جینے کا حق ملے، اور کسی پر ظلم نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم بھی تحفظ، آزادی، عزت، اور انصاف کے ساتھ جیتے ہیں۔ مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست میں یہودی، مشرک، اور دیگر مذاہب کے لوگ مسلمانوں کے ساتھ مساوی شہری تھے۔ کسی کو مذہب چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا گیا، کسی کی عبادت گاہ کو مسمار نہیں کیا گیا۔ یہ ہے اسلام کا اصل چہرہ، جو دنیا کے ہر انسان کے لئے باعثِ امن اور ذریعۂ خیر ہے۔

اسلام صرف آخرت کی فلاح کا پیامبر نہیں، بلکہ دنیاوی نظامِ حیات کو بھی فلاح کے راستے پر گامزن کرتا ہے۔

اسلام نے علم کو فرض قرار دیا، تاکہ انسان جاہلیت کے اندھیروں سے نکلے، اس نے عدل کو بنیاد بنایا، تاکہ دنیا ظلم کی آگ میں نہ جھلسے، عزتِ نفس کو سب سے بڑا سرمایہ قرار دیا، تاکہ انسان کسی کے سامنے ذلیل نہ ہو۔ اسلام نے تعاون وایثار، صداقت و وفا اور رحم دلی کو معاشرتی اقدار بنایا تاکہ انسانیت پروان چڑھے۔

اسلامی تعلیمات میں وہ قوت ہے جو ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑتی ہے، بکھرے ہوئے قافلوں کو منزل کی طرف لے جاتی ہے، اور انسانیت کو اس اعلیٰ مقام پر فائز کرتی ہے جہاں سے وہ نہ صرف دنیا میں کامیاب ہو بلکہ آخرت میں بھی سرخرو ہو۔ آج جب انسانیت ٹیکنالوجی کی ترقی کے باوجود خوف، تنہائی، مادّہ پرستی، نفسیاتی انتشار، جنگ، فتنہ، اور نسلی تفریق کا شکار ہے، تو اسلام واحد دین ہے جو اسے امن وآشتی، روحانیت، اور توازن کا راستہ دکھاتا ہے۔ یہ دین ظلم کے اندھیروں کو چاک کرتا ہے، دلوں میں محبت کی شمع روشن کرتا ہے، انسان کو اس کے اصل مقام پر واپس لے جاتا ہے، اور پوری دنیا کو ایک پرامن، متوازن اور مہربان معاشرہ فراہم کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔

اسلام کی دعوت دراصل انسان کے اندر چھپی ربّانی فطرت کو جگانے اور اسے اپنے اصل مقامِ عزت پر واپس لانے کی دعوت ہے۔ یہ پیغام کسی نسل، سرحد اور زمانے کا پابند نہیں، یہ اس خالقِ کائنات کا امانت نامہ ہے جو سب کا ربّ ہے۔ اس پیغام کی روشنی جہاں پہنچتی ہے، وہاں ظلم کی گھٹن چھٹ جاتی ہے، دلوں کے دریچے کھل جاتے ہیں، اور انسانیت اپنے کھوئے ہوئے وقار سے ہمکنار ہو جاتی ہے۔

ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام کی حقانیت زبانی دعوؤں سے نہیں، کردار کی صداقت سے آشکارا ہوتی ہے۔ اگر مسلمان اپنی ذاتی زندگی، اپنے خاندان، اپنا معاشرہ، اپنے ظاہر و باطن، اپنی معیشت ومعاملات، اخلاق وسیاست، اپنی مساجد اور اپنے تعلیمی اداروں میں اس دینِ رحمت کو جیتا ہوا نمونہ بنا دیں تو خود خاموش عمل ہی دنیا کے سوئے ہوئے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی ہے۔ ''كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ '' تم وہ بہترین امت ہو جو انسانوں (ہی کی بھلائی) کے لئے نکالی گئی۔ اس آیت کی کریمانہ پکار ہمیں نسلِ انسانی کا خیرخواہ بننے کی ذمہ داری یاد دلاتی ہے۔

آج کے پرآشوب عالمی منظرنامے میں جو شخص بھی ظلم کا اندھیرا چاک کرنا چاہتا ہے، اسے اسلام کے نور سے اپنا دل منور کرنا ہوگا۔ یہ نور نفرت کے دیے ہی نہیں بجھاتا، بلکہ سب دلوں میں محبت کی شمع روشن کرتا ہے، یہ نور طاقت کے نشے کو توڑتا ہے اور عدل کا جام ہاتھ میں تھماتا ہے، یہ نور دنیا کی بے ثباتی سے باخبر کر کے آخرت کی ابدی کامرانی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ یہی وہ آفاقی خیر ہے جس کے چراغ سے انسانیت کا مستقبل روشن ہو سکتا ہے، بشرطیکہ ہم اسے سنبھال کر حکمت اور شفقت کے ساتھ آگے بڑھائیں۔

پس آیئے، ہم خود کو، اپنے گھروں کو، اپنی بستیوں کو اور اپنے معاشروں کو اس پیغامِ رحمت کا آئینہ بنائیں۔ ہر قدم پر صدق وعدل کی خوشبو چھڑکیں، ہر لفظ میں رحمت کی حلاوت گھولیں، اور ہر تعلق کو خیر کے دھاگے سے باندھ دیں، تاکہ قیامت کے دن ہم سرخرو ہوں، اور دنیا دیکھ لے کہ اسلام واقعی تمام دُنیا کا بھلا چاہتا ہے۔

مصنوعی ذہانت کی حقیقت

دائرہ کار اور اسکے شرعی احکام

بدرالحسن القاسمی

’’مصنوعی ذہانت‘‘ یا’’ آرٹیفیشل انٹلیجنس‘‘(artificial intelligence) موجودہ زمانہ کی سب سے بڑی دریافت اور کمپیوٹر سائنس کی ترقی کا اہم ترین کارنامہ ہے، تعلیم وتربیت، صنعت وتجارت، علاج ومعالجہ، کھیل وتفریح اور زندگی کے تمام ہی شعبوں میں اس وقت مصنوعی ذہانت کا عمل دخل اتنا زیادہ ہوگیا ہے کہ انسان کی طبعی وخلقی ذہانت بھی اسکے سامنے ہیچ نظر آنے لگی ہے اور بجا طور پر یہ خطرہ پیدا ہوگیا ہے کہ مصنوعی ذہانت انسان کی طبعی ذہانت پر غالب نہ آجائے اور مصنوعی ذہانت انسان کی رہنمائی سے بے نیاز ہوکر ایسے کرشمے نہ دکھلانے لگے، جو انسان اور انسانیت کیلئے خطرہ کا باعث اور تباہی کا ذریعہ نہ بن جائیں۔ چنانچہ بل گیٹس اپنے ایک مضمون میں لکھتا ہے کہ: مصنوعی ذہانت کی بے پناہ ترقی کو دیکھتے ہوئے ہمیں گہرائی کے ساتھ یہ سوچنا پڑیگا کہ مصنوعی ذہانت خود انسانیت کے خلاف ایک چیلنج نہ بن جائے اور وہ اپنے مقاصد میں انسانی اصولوں سے آزاد اور بالکل بے نیاز نہ ہوجائے۔

’’مصنوعی ذہانت‘‘ کے نتیجہ میں بغیر ڈرائیور کے چلنے والی کاریں اور بغیر پائیلٹ کے اڑنے والے جہاز ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، بلکہ ڈراون حملوں نے جنگ کا پانسہ پلٹ دینے کی قدرت حاصل کرلی ہے اور اسکے نتائج کا بھی ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کررہے ہیں، اسلحہ سازی کے کارخانوں سے لیکر ہماری تعلیم گاہوں، صنعتی کارخانوں اور شفاخانوں میں بیماری کی تشخیص سے لیکر، نازک آپریشن تک کے کام انجام دینے والے روبوٹوں اور مشینی انسانوں نے ہماری زندگی کا سارا نظام ہی بدل کر رکھدیا ہے۔ لہذا ہمارے لئے ضروری ہوگیا ہے کہ ہم مصنوعی ذہانت کو سمجھیں اور اسکے ذریعہ کھیل وتفریح سے لیکر عبادت وریاضت تک کے شعبوں میں اسکے پڑنے والے اثرات کا جائزہ لیں اور انکے شرعی احکام متعین کرنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ اب انسانی زندگی کا کوئی گوشہ مصنوعی ذہانت کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتا، ایسی تعلیم گاہیں وجود میں آگئی ہیں جن کا سارا نظام مصنوعی ذہانت پر مبنی ہے۔

’’مصنوعی ذہانت‘‘ کیا ہے یا (Artificial intelligence) کیا ہے؟ مصنوعی ذہانت کا اثر زندگی کے کن شعبوں پر پڑتا ہے؟ مصنوعی ذہانت کے استعمال کا شرعی حکم کیا ہے؟ مصنوعی ذہانت کے استعمال کے شرعی ضوابط کیا ہونے چاہییں؟ مصنوعی ذہانت کے عام استعمال کے بارے میں شرعی تعلیمات کی روشنی میں کیا موقف اختیار کرنا چاہیے؟ دینی علوم

کے فروغ میں مصنوعی ذہانت سے کیا مدد لی جاسکتی ہے؟ افتاء اور قضاء وغیرہ کے کام کیا مشینی انسان (روبوٹ) کے سپرد کیا جاسکتا ہے؟

اردو میں ''مصنوعی ذہانت'' عربی میں ''الذکاء الاصطناعی'' اور انگریزی میں ''آرٹیفیشل انٹیلیجنس'' سے اسکی تعبیر کی جاتی ہے۔ ''ذکاء'' کا مفہوم عقلی تیزی اور پختگی ہے، طبعی ذکاوت یا ذہانت قدرت کا عطیہ ہے، جس میں لوگوں کے درمیان فرق وتفاوت ہوا کرتا ہے اور اسی کی بنیاد پر کسی کو ''ذکی'' اور کسی کو ''غبی'' کہا جاتا ہے یا کسی کو ذہین اور کسی کو کند ذہن سمجھا جاتا ہے۔ ذہین اور زود فہم کے مقابلہ میں غبی، کم فہم یا بلید وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ اب طبعی ذہانت کے مقابلہ میں مصنوعی ذہانت ایجاد کرلی گئی ہے۔ یہ خودساختہ اور مشینی ذہانت، طبعی ذہانت پر فوقیت لیجانے کیلئے کوشاں ہے۔ عربی میں ''الذکاء الاصطناعی'' کو ''الذکاء الآلی'' اور ''الذکاء الابیالوجی'' بھی کہا جاتا ہے۔ مصنوعی ذہانت انسان کی ایجاد، بندہ کی طبیعت کا کرشمہ ہے۔ جو طبعی ذہانت کی نقالی پر مبنی ہے اور اسکے لئے خودساختہ مشین میں پروگرام ڈالنے اور اسے متحرک اور باشعور بنانے کی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ کمپیوٹر پروگرام اور ڈیجٹل سسٹم کو متحرک بنانے کے نتیجہ میں وہ چیز سامنے آتی ہے، جسے روبوٹ کہا جاتا ہے اور اسے مشینی انسان یا ''الانسان الالي'' بھی کہا جاتا ہے۔

عربی زبان میں اسکی تعریف کیلئے مختلف تعبیریں استعمال کی جاتی ہیں: عبارت: **"عن قدرة الالات والحواسيب الرقمية علي القيام بمهام معينة تشابه بما يقوم به الانسان من التعلم والتفكير والاستفادة من التجارب السابقة والاعمال الذهنية ۔۲: الاعمال المنطقية التي يقوم بها الكمبيوتر تقابل قدرات الانسان۔۳: قدرة آلة او جهاز علي اداء بعض الانشطة والوظائف الذي يقوم بها الذكاء البشري مثل الإدراك والتعلم واتخاذ القرار والترجمة من لغة الي اخري"**

مصنوعی ذہانت کو اختصار کے طور پر، (AL) سے بھی سمجھا جاتا ہے ساری تعبیرات کا حاصل یہی ہے کہ ہمارے استعمال میں ایک مدت سے کمپیوٹر (حاسوب) ہے، جس میں میموری ہوتی ہے اور اسکا عمل بھی اعداد وشمار یا ''خوارزمیات'' کی ترکیب اور الٹ پھیر پر قائم ہے۔ میموری کے ساتھ سمجھنے اور بولنے کی قدرت مخصوص انداز سے اسکی ترکیب اور اسمیں پروگرام داخل کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور روبوٹ کی شکل میں مشینی انسان وجود میں آجاتا ہے۔

مصنوعی ذہانت کی کئی قسمیں ذکر کی جاتی ہیں: محدود مصنوعی ذہانت (Ani)۔ عام مصنوعی ذہانت (Agi)۔ امتیازی مصنوعی ذہانت (Asi)۔ انکے علاوہ اور بھی نئی قسمیں وجود میں آسکتی ہیں۔ نئی ایجادات واکتشافات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا ہی رہے گا۔ کمپیوٹر کے ڈیجیٹل نظام کو اتنا ترقی دینا کہ وہ مخصوص پروگرام ڈالنے کے بعد مختلف ذمہ داریوں کی ادائیگی کے قابل ہوجائے اور وہ انسانوں کی طرح ذہنی کام انجام دینے لگے، جیسے سیکھنا، سمجھنا، سوچنا اور پچھلے تجربات سے فائدہ اٹھانا، قاعدہ بیانات میں جمع کردہ معلومات سے نتائج اخذ کرنا اور انکی روشنی میں مناسب فیصلے کرنا، یہ زبردست کارنامہ

ہے۔بعض ناپختہ ذہن کے زود اثر لوگ مشینی انسان یا مصنوعی ذہانت کی کارگزاریوں کو دیکھ کر یہ یقین کر لیتے ہیں کہ مصنوعی ذہانت کے استعمال کے ذریعہ بڑھاپے کو ٹالا جاسکتا ہے بلکہ موت سے بھی (العیاذ باللہ) رستگاری حاصل کی جاسکتی ہے اور انسان کو روئے زمین پر دائمی اور پائیدار زندگی حاصل ہوسکتی ہے۔

چنانچہ ''انسانیت کے بعد'' نامی ایک تنظیم اسی وہم میں مبتلا ہے کہ مصنوعی ذہانت کے ذریعہ آدمی تخلیقی صلاحیت حاصل کرسکتا ہے اور بہت سی چیزیں از خود تخلیق کرسکتا ہے۔حالانکہ یہ محض خواب وخیال کی باتیں اور غلط فہمی کا نتیجہ ہیں۔تخلیق یا پیدا کرنے کا عمل صرف رب کائنات کے ساتھ خاص ہے۔انسان کے بس میں بس اتنا کہ اللہ رب العزت کے پیدا کردہ مٹیریل کے جوڑتوڑ سے اپنے فائدہ کی کوئی چیز بنالے، کوئی نئی مشین ایجاد کرلے، تیز رفتار کاریں، فضا میں اُڑنے والے جہاز اور سیارے تیار کرلے، سمندر کی تہوں میں چلنے والی آبدوزیں بنالے، ان چیزوں کا ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔لیکن کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا یا اپنی بنائی ہوئی کسی چیز میں روح ڈالنا اور اس کو زندہ مخلوق کی حیثیت دینا، یہ رب کائنات کے علاوہ کسی کے بس میں نہیں ہے۔

موت کا فیصلہ یہ بھی خدائی ہے کہ ہر ذی روح کو موت کا مزا چکھنا ہی ہے، کسی کو موت سے بچایا نہیں جاسکتا، بلکہ موت کا جو وقت مقرر ہے، اس میں بھی پل دو پل کی تقدیم وتاخیر نہیں کی جاسکتی (**کل نفس ذائقة الموت**) (**و ماجعلنا لبشر من قبلك الخلد**) (**اذا جاء اجلھم فلا یستأخرون ساعة و لا یستقدمون**) یہ سب حتمی اور یقینی فیصلے ہیں، ان میں روبوٹ یا کسی بھی نئی ایجاد کے ذریعہ کسی طرح کی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔

مصنوعی ذہانت کے فروغ اور جدید ٹکنالوجی کی بے لگام ترقی نے، بہت سے فکری اعتقادی اور فقہی مسائل پیدا کردئے ہیں، جنکی طرف علمائے دین کے طبقہ کو سب سے پہلے متوجہ ہونا چاہئے اور نئے پیدا ہونے والے مسائل کا شرعی نصوص کی روشنی میں حل تلاش کرنا چاہئے۔سائنسی ترقیات اور نئی ایجادات واکتشافات تو ہمارے نزدیک تسخیر کائنات کا طبعی نتیجہ ہے۔اللہ تعالی نے انسان کی افادیت اور نفع رسانی کے لئے زمین وآسمان میں پھیلی ہوئی چیزیں، زمین میں مدفون ذخائر، معدنیات وقدرتی وسائل، انسان کے تصرف میں دیدیا ہے کہ اپنی معیشت کے وسائل زمین کی تہوں، پہاڑ کی چوٹیوں، سمندر کی گہرائیوں اور فضا کی وسعتوں میں تلاش کرے۔(**وھو الذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبھا وکلوا من رزقه والیه النشور**)۔یہ نکتہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے، جسکی طرف اقبال نے اشارہ کیا ہے:

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفی سے مجھے　　　کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

یعنی ستاروں پر کمند ڈالنے کا عمل موجودہ زمانہ کے خلانوردوں سے پہلے ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے سفر میں شروع فرمادیا تھا کہ چاند، زحل، مریخ ہی نہیں، ساتوں آسمانوں سے گزر کر، سدرۃ المنتہی تک آپکے مبارک قدم جاچکے تھے۔اس طرح سارا گردوں ہی آپکے قدموں کے نیچے آچکا تھا، تو آپکے امتی بھی آپکے نقش قدم پر چل سکتے ہیں۔

نامور محدث امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری حدوث عالم پر اپنے طویل عربی قصیدہ میں فرماتے ہیں:

وقد قیل ان المعجزات. تقدم   بما ترتقی فیہ الخلیقۃ فی مدی

یعنی انبیائے کرام کو جو معجزات دیے گئے ہیں، وہ درحقیقت مستقبل میں انسانیت کی ترقیات کا پیش خیمہ ہے۔ لہذا مستقبل میں مزید اکتشافات اور حیرت انگیز ایجادات کی امید رکھنی چاہیے۔ جو لوگ حقیقت کا علم نہیں رکھتے وہ بہت جلد غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور روبوٹ کی از خود حرکتوں اور کرشمہ سازیوں کو دیکھ کر گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ انکو مشینوں میں انسانی روح نظر آنے لگتی ہے اور مشینی انسان کی کا گزاریوں کو دیکھ کر یہ وہم ہونے لگتا ہے یہ بھی تخلیق کی ایک شکل ہے۔ لہذا انسان اب خالق سے بے نیاز ہو گیا ہے، وہ خود بھی جو چاہے بنا سکتا اور نئی چیزیں پیدا کر سکتا ہے۔ انکو قرآن کریم کے اس چیلنج میں بھی شبہہ ہونے لگتا ہے سارے معبودوں باطل جمع ہو کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ (ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ)۔ روبوٹ کے عمل کو دیکھ کر وہ کہنے لگے ہیں کہ وہ دن دور نہیں ہے کہ آدمی مکھی ہی نہیں، اس سے بڑی چیز پیدا کرنے لگے گا (العیاذ باللہ)۔

مصنوعی ذہانت دودھاری تلوار کی طرح ہے، اس کا استعمال خیر وشر دونوں کیلئے بڑے پیمانے پر کیا جارہا ہے۔ خطرناک مہم کی انجام دہی، جیسے بارودی سرنگوں سے نمٹنا، آتش فشاں کے ہولناک دہانوں کا رخ پھیرنا، بموں اور دیگر دھماکہ خیز اشیاء کو بروقت ناکارہ بنانا یہ سارے کام مصنوعی ذہانت کی مدد سے بآسانی انجام دئے جاسکتے ہیں۔ مصنوعی ذہانت کا استعمال صنعت وتجارت، تعلیم الکٹرونی وسائل کے ذریعہ مارکٹینگ، اسلحہ سازی اور دیگر بہت سے ترقیاتی منصوبوں کی انجام دہی کیلئے بڑے پیمانہ پر ہونے لگا ہے۔ تحقیق وریسرچ کے معیار کو بھی اسکے ذریعہ بڑھایا جاسکتا ہے۔ مصنوعی ذہانت کے استعمال میں وقت جگہ اور وسائل سب کی بچت ہے۔ البتہ اس کا منفی پہلو یہ ضرور ہے کہ اسکی وجہ سے بے روزگاری میں اضافہ ہوگا، مزدوروں کو کمپنیوں اور کارخانوں میں کام سے بے دخل ہونا پڑے گا۔ جسکے نتیجہ میں لوگ وسائل معیشت سے محروم ہو جائیں گے اور انکی جگہ مشینیں لے لینگی۔ مصنوعی ذہانت کے فروغ سے جنگوں کے امکانات بڑھ جائیں گے، ملکوں کے درمیان آویزش میں اضافہ ہوگا اور ڈرون حملوں اور دیگر خودکار اسلحوں کا استعمال بڑھ جائیگا۔

مصنوعی ذہانت کے زندگی کے ہر شعبہ میں بڑے پیمانہ پر استعمال نے بہت سے نئے مسائل بھی پیدا کردئے ہیں، جن میں ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ جب مشینی انسان یا روبوٹ اپنے ارادہ اور اختیار سے فیصلے کر سکتا ہے اور بہت سی ذمہ داریوں کو انجام دے سکتا ہے، تو اسکے عمل سے کسی کو جانی یا مالی نقصان ہو تو اسکی ذمہ داری کس پر ہوگی؟ اور نقصان کی تلافی کون کرے گا؟ اور غلطی کی سزا کتنی اور کس کو دی جائیگی؟ دوسرے لفظوں میں ایسے خودکار اور بااختیار روبوٹ کو مجرمین کی صف میں کھڑا کر کے سزا دی جائے؟ یا ان خودکار مشینوں کو بہائم اور چوپایوں کی صف میں رکھ کر جانوروں سے پہنچنے والے نقصانات کے مطابق برتاؤ کیا جائے اور شریعت نے جانوروں سے پہنچنے والے نقصانات کی تلافی کیلئے جو اصول رکھا ہے، اس پر عمل کیا

جائے؟ یا پھر عام مشنری اور پتھر لوہے سے بنی ہوئی جامد اشیاء کا معاملہ کیا جائے اور روبوٹ کے مالک، پروگرامر یا اسکو تیار اور سپلائی کرنے والی کمپنی کو ذمہ دار ٹھہرایا جائے؟

اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کا ایک گروہ تو وہ ہے جو مشینی انسان کی کارگزاریاں دیکھ کر اس کا قائل ہوگیا کہ اسے رقیق یا عبد کی حیثیت دے کر اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دیا جائے اور اسی کو سزا و جزا کا مستحق مانا جائے۔ بعض لوگوں نے روبوٹ کی ازخود کارکردگی دیکھ کر یہ ظاہر کیا ہے کہ اسے رقیق یعنی غلام کے حکم میں رکھا جائے کہ جس طرح غلام ہونے کے باوجود اپنے کاموں کا خود ذمہ دار ہوتا ہے اور اسے اپنی غلطیوں کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ اسی طرح روبوٹ کو بھی اسکے کاموں کا ذمہ دار اور جزا و سزا کا مستحق قرار دیا جائیگا اور نئے مسائل پر غور و فکر کرنے والوں کی ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ روبوٹ اور مشینی انسان کو جانوروں کے حکم میں رکھا جائے۔

چنانچہ حدیث کی روشنی میں اس کے کچھ نقصانوں کو جانوروں اور چوپایوں سے صادر ہونے والے نقصانات کی طرح رائیگاں قرار دیا جائے۔ جیسا کہ "**العجماء جبار یا جرحها جبار**" اور بعض نقصانات کی اسی طرح تلافی کرائی جائے جس طرح کہ حدیث میں چوپایوں کے مالک کو ذمہ دار قرار دیا گیا ہے اور نقصان کی تلافی انکے ذمہ لازم کی ہے یعنی اگر جانوروں کے مالکان نے رات کے وقت جانوروں کو کھلا رکھا، جسکے نتیجہ میں لوگوں کی کھیتیاں برباد ہوگئیں، تو جانوروں کے مالکین کو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔

موطا امام مالک میں حرام بن سعد بن محیصہ کی روایت ہے کہ براء بن عازبؓ کی اونٹنی ایک باغ میں داخل ہوگئی اور وہاں نقصان پہنچایا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ: **ان علي اهل الحوائط حفظها بالنهار و ان ما افسدت المواشي بالليل ضامن علي اهلها** (رقم الحدیث ۱۴۳۱) اسی طرح سنن دارقطنی میں ہے: **من اوقف دابة في سبيل من سبل المسلمين او في سوق من اسواقهم فأوطأت بيد رجل او جل فهو ضامن** (۳۳۸۵)۔

اس سلسلہ میں غور کرنے کی بات میری نظر میں یہ ہے کہ اللہ تعالی نے احکام کا مکلف انسان کو بنایا ہے اور اسکی وضاحت کردی ہے کہ آسمان و زمین اور پہاڑوں میں اس بار کو اٹھانے کی صلاحیت نہیں رکھی گئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس بار کو اٹھانے سے شروع میں ہی معذرت کرلی تھی: (**انا عرضنا الامانة علي السموات و الارض و الجبال فأبين ان يحملنها و اشفقن منها و حملها الانسان انه كان ظلوما جهولا**) احکام کا مکلف ہونے کیلئے "اہلیت" کا ہونا شرط ہے، اسی اہلیت کی بنا پر کچھ چیزیں اس پر لازم اور واجب ہوتی ہیں۔ اسی طرح اسکے حقوق دوسروں کے ذمہ لازم ہوتے ہیں یہ "اہلیت" انسانی زندگی سے بہرہ ور ہونے کا خاصہ ہے۔

مصنوعی ذہانت کا کرشمہ: روبوٹ سب کچھ ازخود انجام دینے اور سیکھنے سوچنے اور اسکے مطابق عمل کرنے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود محض ایک مشینی وجود اور ایک مشنری کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن نہ اسمیں انسانی روح ہوتی ہے اور نہ وہ

زندگی سے بہرہ ور ہوتی ہے، لہذا اسمیں اہلیت یا ذمہ کا پایا جانا ممکن نہیں ہے۔ لہذا اس سے سرزد ہونے والے نقصان کا اسکو ذمہ دار قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ نہ وہ اپنے عمل پر اجر اور اجرت کا مستحق ہوگا اور نہ اس سے پہنچنے والے نقصان کی سزا کا۔ اسکی غلطیوں یا اسکے جرائم کی سزا مالک کو ملے گی یا پروگرامر کو یا پھر اس کمپنی کو جو اسکے تیار کرنے اور سپلائی کرنے کی ذمہ دار ہے۔ شریعت میں جزا و سزا کا تصور ادراک وشعور سے جڑا ہوا ہے، لہذا سزا اسے ہی دی جاسکتی ہے جو زندہ اور باشعور ہو، اس میں سزا کے خوف سے کسی عمل کے ارتکاب سے بچنے کی صلاحیت ہو۔

اسی طرح ضمان کسی دوسرے شخص کو جانی یا مالی نقصان پہنچانے کے نتیجہ میں لازم ہوتا ہے یا کسی اور کی مملوکہ چیز پر قابض ہونے، اس میں تصرف کرنے یا اسے نا قابل استعمال بنا دینے کے نتیجہ میں ضمان واجب ہوتا ہے۔ نامور فقیہ علامہ کاسانی اتلاف کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "**الاتلاف هو اخراج الشئ من أن يكون منتفعا به منفعة مطلوبة عادة**" (بدائع الصنائع ۲/ ۱٦٤) ابن تیمیہ کے کلام کا بھی یہی مفہوم ہے۔

ایک تجویز یہ بھی رکھی جاتی ہے کہ روبوٹ یا مشینی انسان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو بعض کمپنیوں، وقف کی جائیدادوں، مساجد اور بیت المال کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ انکی "شخصیت اعتباریہ" (Legal Entity) تسلیم کر لیجاتی ہے اور اسے قانونی طور پر لین دین کے معاملہ میں ذمہ دار تسلیم کر لیا جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں ساری ذمہ داریاں اس پر آجاتی ہیں اور جزا و سزا کا مستحق بھی اسے ہی قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ وقف کا متولی اگر اسکے لئے مشینیں اور چوپائے وغیرہ اسی کیلئے خرید لے یا کوئی شخص مسجد کیلئے کوئی مال یا جائیداد بطور ہدیہ عطا کرے، تو وہ از خود مسجد کی مالیت میں شامل ہو جائے گی۔

اسی طرح اگر کوئی شخص مسجد کیلئے وصیت کرے، یا کوئی چیز بطور عطیہ دے، تو وہ خود ہی مسجد کی ملکیت میں داخل ہو جائیگی، متولی کی حیثیت فقط محافظ اور نگراں کی رہے گی، اسی طرح اگر قاضی یا حاکم سے کسی فیصلہ میں غلطی ہو جائے اور اس سے کسی کو نقصان پہنچے تو اسکی تلافی بیت المال سے کی جائیگی، کیونکہ بیت المال کو "شخصیت اعتباریہ" حاصل ہے، اسی طرح "ضمان" کا مسئلہ ہے، فقہاء کی اصطلاح میں ضمان غیر کو پہنچنے والے ضرر کے بدلہ کا لازم ہونا ہے۔

ڈاکٹر مصطفی الزرقا فرماتے ہیں: "**انه التزام بتعويض عن ضرر الغير**" یعنی "ضمان" دوسرے کو پہنچنے والے نقصان کا بدلہ اپنے اوپر لازم کر لینے کا نام ہے۔ ڈاکٹر وھبہ الزحیلی فرماتے ہیں: "**الالتزام بتعويض الغير عما لحقه من تلف المال او ضياع المنافع او الضرر الجزئي او الكلي الحادث بالنفس الانسانية**"۔

اس میں شک نہیں کہ مصنوعی ذہانت نے بہت سے کام آسان کر دئے ہیں، لیکن شرعا اس کا وہی استعمال صحیح ہوگا جو صلاح کیلئے ہو، فساد کیلئے نہ ہو اور جس کا مقصد خیر کو فروغ دینا ہو، شر کو بڑھاوا دینا نہ ہو۔ لہذا:

1- مصنوعی ذہانت کا استعمال کفر والحاد کو پھیلانے اور گمراہ کن افکار اور باطل مذاھب کی ترویج واشاعت کیلئے نہ ہو۔

2- انسانی معاشرہ میں فحش اور بے حیائی کی باتوں کو عام کرنے کیلئے اس کا استعمال نہیں ہونا چاہیے۔

3-جنسی روبوٹ کو پھیلانے اورلوگوں کو روبوٹ سے ازدواجی رشتہ قائم کرنے کی ترغیب کیلئے مصنوعی ذہانت کا استعمال جائزنہیں ہوگا۔

4-دین انسانی جان،عقل،نسل اور مال کی حفاظت،شریعت کے بنیادی مقاصد ہیں اورروئے زمین پر امن وراحت کے ساتھ آبادرہنے کے ضامن بھی یہی مقاصد ہیں۔

اسلئے مصنوعی ذہانت کا استعمال ان مقاصد کی حفاظت ہی کیلئے ہونا چاہیے،اسکے خلاف نہیں،انسانی جان ومال، دین اورعزت وآبرواورعقل کی حفاظت ہرحال میں ضروری ہے۔مصنوعی ذہانت کا سب سے بڑا کرشمہ روبوٹ یا مشینی انسان ہے،لیکن اب اسکے استعمال نے عجیب وغریب شکلیں اختیار کرلیں ہیں،جاپان میں انجینیر وں نے میندار(Mindar) نامی ایسا روبوٹ تیارکرلیا ہے،جومندر میں آنے والے لوگوں کو گوتم بدھ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی تلقین کرتا ہے۔جرمنی میں پروٹسٹنٹ کرسچنوں نے ایسا روبوٹ نصب کرلیا ہے،جو پانچ زبانیں بولتا،اسکی آنکھوں سے روشنی کی شعاعیں نکلتی ہیں،کبھی وہ مرد کی شکل اختیار کرلیتا ہے اور کبھی عورت کی۔اسی طرح کیتھولک چرچ کے اندر راھب کی شکل میں روبوٹ نصب ہے اوروہ پوپ کی ساری ذمہ داریاں نبھاتا ہے۔

اس طرح کی باتیں سن کربعض مسلمانوں کے ذہنوں میں بھی یہ وسوسے پیدا ہونے لگے ہیں کہ کیا روبوٹ سے نماز میں امامت کا کام لیا جاسکتا ہے؟ جبکہ اسکی قرأت اورارکان کی ادائیگی میں کوئی خلل نہیں ہوتا،اگر ایسا ہے تو پھر وضوء کا کیا طریقہ ہوگا اور وہ کبتک باقی رہے گا؟اسی طرح نکاح،طلاق،عدت اوررجعت کے بہت سے مسائل ہیں،جن کے بارے میں مصنوعی ذہانت کے استعمال نے لوگوں کو الجھنوں میں مبتلا کردیا ہے۔یہ محض کہانیاں اور لطیفے نہیں ہیں،ایسے مسائل ہیں جنکے بارے میں سوالات پیدا ہونے لگے ہیں اورفقہائے کرام کی طرف سے واضح جوابات کا لوگوں کوانتظار ہے۔واللہ ولی التوفیق

سائنس اور قرآن

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی

انسان کو مٹی سے پیدا کیا

کئی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلے انسان آدم علیہ السلام کو اللہ نے مٹی سے بنایا تھا اور ان کی اولاد میں ابھی تک وہی سلسلہ چل رہا ہے۔ اس لئے اللہ نے اصل حقیقت کو ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ انسان کو میں نے مٹی سے بنایا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان چاول، گیہوں، پھل اور پھول وغیرہ کھاتا ہے اور اس کے مادے سے انسان کی منی بنتی ہے۔ چاول گیہوں پھل پھول کا اصل مادہ مٹی ہی ہے، تو منی اور اس کے جراثیم مٹی سے بنے، پھر بعد میں بھی انسان چاول، گیہوں کھاتا ہے اور جوان ہوتا ہے، تو گویا کہ جراثیم کی اصل مٹی ہے اور پورے جسم کی ترکیب بھی مٹی سے ہوئی۔ اس لئے اللہ نے کئی جگہ انسان کی اصل حقیقت ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ ارشاد ہے:

"فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ" (سورۃ الحج: ۲۲، آیت: ۵)

(ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے)

دوسری جگہ ہے:

"وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ" (سورۃ المومنون: ۲۳، آیت: ۱۲)

(اور یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا)

ان آیتوں میں بار بار انسانوں کو توجہ دلایا کہ تمہاری اصل خمیر مٹی سے ہے۔

انسان کو تین اندھیروں میں پیدا کیا

سائنس کی تحقیق یہ ہے کہ انسان تین اندھیروں میں پیدا ہوتا ہے:

(۱) ایک شرمگاہ کا خول جس کو شکم مادر کی چھت کہتے ہیں۔

(۲) دوسری اندھیری بچہ دانی ہے جس کو عربی میں رحم کہتے ہیں۔

(۳) تیسری اندھیری پانی کی تھیلی ہے۔

انڈا بار آور ہوتا ہے تو کیڑا بچہ بنتا ہے اور انڈے کا خول بچے کے ساتھ بڑھتا رہتا ہے اور وہ ایک تھیلی سا بن جاتا ہے، اس تھیلی میں پانی بھر جاتا ہے۔ اسی پانی میں بچہ تیرتا رہتا ہے اور بڑھتا رہتا ہے یہ پانی بچے کو اوپر کی زد سے بھی

محفوظ رکھتا ہے اور نقصان دہ جراثیم سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ تو گویا کہ تین اندھیریاں ہوئیں: شکم مادر کی چھت، رحم اور پانی کی تھیلی، ان تین اندھیریوں میں جنین (بچہ) پرورش پاتا ہے۔

قرآن کریم نے اسی حقیقت کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

"يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ" (سورۃ الزمر ۳۹ آیت ۶)

(اللہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ میں بناتا ہے ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر تین تین تاریکیوں میں)

واقعی رب العالمین تین تین اندھیریوں میں انسانوں کو پیدا کرتا ہے، جہاں انسان کی نظر کی بھی رسائی نہیں ہوتی، وہاں خالق کائنات کی قدرت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ سائنس نے ان تین اندھیریوں کا پتہ لگایا تو قرآنی تحقیقات پر حیراں ہوگئی۔

نزول قرآن کے وقت تخلیق کے ان مراحل کی تحقیق نہیں ہوئی تھی، ابھی سائنس نے ایک سرے اور خردبین کے ذریعہ ان مراحل کی تحقیق کی، تو انسانی عقل حیران ہے کہ کس طرح ایک باریک جرثومہ کو ہزاروں حادثات کے سامنے کھڑا کرکے، چند مہینوں میں کئی کیلووزن کا بچہ بنادیا جاتا ہے اور پھر کس طرح اس کو چلتا پھرتا عقلمند انسان بنا کر پیش کرتے ہیں، پھر عجیب بات یہ ہے کہ جن مراحل کا تذکرہ قرآن پاک کرتا ہے، ڈاکٹری تحقیقات حرف بحرف ان کی تصدیق کرتی چلی جارہی ہے، جس سے سوفی صد یقین ہوتا ہے کہ یہ رب العالمین کی کتاب ہے، کسی انسان کی تصنیف نہیں، یہ کتاب فصاحت وبلاغت میں بھی معجزہ ہے اور سائنسی تحقیقات کے معیار پر بھی سراپا معجزہ ہی معجزہ ہے۔

****

مطالعہ یاد نہیں رہتا:

شیخ سلمان العودہ اپنی کتاب "زنزانۃ" میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے شیخ سے شکایت کی کہ میں نے ایک کتاب پڑھی، لیکن مجھے اس میں سے کچھ یاد نہیں رہا؟

شیخ نے مجھے ایک کھجور دی، اور فرمایا:

لو یہ چباؤ! پھر مجھ سے پوچھا: کیا اب تم بڑے ہوگئے؟ میں نے کہا: نہیں! فرمایا لیکن یہ کھجور تمھارے جسم میں گھل مل گئی، چنانچہ اسکا کچھ حصہ گوشت بنا، کچھ ہڈی، کچھ پٹھ، کچھ کھال، کچھ بال کچھ ناخن اور مسام وغیرہ!!

تب میں نے جانا کہ جو کتاب بھی میں پڑھتا ہوں، وہ تقسیم ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اس کا کچھ حصہ میری لغت مضبوط کرتا ہے، کچھ میرا علم بڑھاتا ہے، کچھ میرا اخلاق سنوارتا ہے، کچھ میرے لکھنے بولنے کے اسلوب کو ترقی دیتا ہے، اگرچہ میں اسکو محسوس نہیں کرپاتا!!

فقہ وفتاوی

ادارہ

محرم الحرام کی بدعات سے بچنا:

سوال....: آج کے زمانہ میں ماہ محرم الحرام میں کس طرح کی بدعات وخرافاتی رسومات سے بچنا ہماری دینی ذمہ داری میں شامل ہے؟

جواب....: محرم الحرام کے میں ہر اس کام سے بچنا ہماری دینی وشرعی ذمہ داری ہے جو اس وقت اہلِ باطل کا شعار ہو، چاہے وہ خاص لباس پہننا ہو، تعزیہ وجلوس نکالنا اور اس میں شرکت کرنا ہو، شربتوں کی سبیلیں لگانا ہو، یا پھر نیازِ حسین کے نام پر حلیم اور دیگر چیزیں تقسیم اور وصول کرنا ہو، غرض جو بھی کام اس زمانہ میں اہلِ باطل کرتے ہیں اس سے بچنا ضروری ہے، اور اہلِ باطل کی مشابہت اختیار کرتے ہوئے وہ کام کرنا یا کرنے والوں کے ساتھ شریک ہونا گناہ ہے۔

مرقاۃ المفاتیح میں ہے: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. رواه أحمد، وأبو داود. (من تشبه بقوم) : أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار. (فهو منهم) : أي في الإثم والخير. قال الطيبي: هذا عام في الخلق والخلق والشعار، ولما كان الشعار أظهر في التشبه ذكر في هذا الباب. قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه لا غير. (كتاب اللباس، الفصل الثاني، ۲۷۸۲/۷)

حج کی خوشی میں دعوت کرنا اور پھولوں کا ہار پہنانا

سوال....: حاجی لوگ جب حج کر کے آتے ہیں، وہ آنے کی خوشی میں کھانے کی دعوت رکھتے ہیں، ان کا کھانا کھانا کیسا ہے؟ اور ان کو پھولوں کا ہار ڈالنا کیسا ہے؟

جواب....: صورتِ مسئولہ میں حاجی حج سے آکر جو دعوت کرتے ہیں تو چونکہ یہ ایک خوشی کا موقع ہوتا ہے، اس لیے یہ دعوت کرنا بنفسہٖ مباح عمل ہے، اور اس دعوت کا کھانا کھانا بھی درست ہے، بشرطیکہ دعوت اخلاص کے ساتھ ہو، اظہارِ تشکر کے طور پر ہو، ریا کاری نہ ہو، اس دعوت میں خلافِ شرع کسی کام کا ارتکاب نہ ہو اور اس دعوت کو ضروری نہ سمجھا جاتا ہو، اس دعوت میں اِسراف نہ ہو۔

باقی خوشی کے اس موقع پر حاجی کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالنا بھی ایک مباح عمل ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

”والمباح: ما أجيز للمكلفين فعله وتركه بلا استحقاق ثواب وعقاب۔“ (فتاویٰ شامی، ج: ۶،

ص: ۳۳۶)

اعلاء السنن میں ہے:

"وقال بعض الفقهاء من أصحابنا وغيرهم أن الوليمة تقع علٰى كل طعام لسرور حادث، إلا أن استعمالها في طعام العرس أكثر.... فحكم الدعوة للختان وسائر الدعوات غير الوليمة إنها مستحبة لما فيهما من إطعام الطعام والإجابة إليها مستحبة غير واجبة۔" (اعلاء السنن، ج: ۱۲، ص: ۱۷، ۱۶)

آن لائن تلاوت کی صورت میں سجدۂ تلاوت کا حکم

سوال....: کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

۱: آن لائن سبق کے دوران اگر استاذ آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو شاگرد پر سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟

۲: ریڈیو یا انٹرنیٹ کے ذریعے حرمین شریفین کی تراویح سننے والا جب آیتِ سجدہ سنے تو اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا؟

جواب....: ۱: واضح رہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے سجدۂ تلاوت کے وجوب کے لیے خود سجدہ کی آیت تلاوت کرنا یا کسی انسان سے براہِ راست سجدہ کی آیت کی تلاوت سننا شرط ہے۔ آن لائن یا ریکارڈ شدہ سجدہ کی آیت سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر آن لائن قرآن پڑھاتے ہوئے استاذ سجدہ کی آیت تلاوت کرے گا اور شاگرد صرف سنے گا تو استاذ پر تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، شاگرد پر واجب نہیں ہوگا۔ البتہ اگر استاذ کے سجدہ کی آیت تلاوت کرنے کے بعد شاگرد بھی سجدہ کی آیت دہرائے گا تو اس پر بھی سجدۂ تلاوت واجب ہوجائے گا۔

۲: نیز ریڈیو یا انٹرنیٹ کے ذریعے حرمین شریفین کی تراویح سننے والا اگر سجدہ کی آیت سنے گا تو اس پر بھی سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا۔

ملحوظ رہے کہ آن لائن ٹرانسمیشن کے ذریعہ آنے والی آواز لاؤڈ اسپیکر کی طرح براہِ راست نہیں ہوتی، بلکہ یہ ریکارڈ شدہ ہی آواز ہوتی ہے، تاہم اسے بہت سرعت سے نشر کردیا جاتا ہے، اس لیے وہ آن لائن سمجھی جاتی ہے۔ (یعنی آن لائن ٹرانسمیشن کے ذریعہ آنے والی آواز اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز میں فرق ہے، آن لائن ٹرانسمیشن کے ذریعہ آنے والی آواز براہِ راست نہیں ہوتی، بلکہ ریکارڈ شدہ ہوتی ہے اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز براہِ راست ہوتی ہے۔)

"بدائع الصنائع" میں ہے: "وكذا تجب على السامع بتلاوة هؤلاء إلا المجنون؛ لأن التلاوة منهم صحيحة، كتلاوة المؤمن والبالغ وغير الحائض والمتطهر؛ لأنّ تعلّق السجدة بقليل القراءة وهو ما دون آية، فلم يتعلّق به النهي، فينظر إلٰى أهلية التالي، وأهليته بالتمييز وقد وجد، فوجد سماع تلاوة صحيحة، فتجب السجدة، بخلاف السماع من الببغاء والصدى؛ فإن ذٰلك ليس بتلاوة، وكذا إذا سمع من المجنون؛ لأن ذٰلك ليس بتلاوة صحيحة لعدم أهليته لانعدام التمييز۔" (كتاب الصلاة، فصل: شرائط جواز السجدة: ۱/۱۸۶)

واقعات وحکایات

ابوصفی

فجر کی نماز عشاء کے وضو سے ادا کی

امام احمد ابن حنبلؒ ایک مرتبہ امام شافعیؒ کے یہاں مہمان ہوئے، امام شافعیؒ نے اپنی صاحب زادی کو فرمایا کہ آج بہت بڑے امام آئے ہیں، انکی خوب خاطر مدارات کرنا۔ چنانچہ حسب الحکم انہوں نے خوب خاطر کی، صبح ہوئی تو امام شافعی سے شکایت کی کہ آپ تو کہہ رہے تھے کہ بڑے امام ہیں، میں نے ان میں تین باتیں بزرگی کے خلاف پائیں۔

اول یہ کہ انہوں نے کھانا خوب کھایا جب کہ بزرگ بہت کم کھایا کرتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ انہوں نے تہجد کی نماز نہیں پڑھی۔

تیسرے یہ کہ انہوں نے بغیر وضو کے فجر کی نماز پڑھی۔

امام شافعی نے صاحب زادی کو تو ڈانٹ دیا اور امام احمد سے تنہائی میں اس کا ذکر کیا، تو امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ کھانا تو میں نے زیادہ اس لیے کھایا کہ خالص حلال کھانا تھا، مجھے دسترخوان پر اتنے انوار و برکات نظر آئے کہ کہیں اور دیکھنے میں نہیں آئے۔ میں نے سوچا کہ جتنا زیادہ کھاؤں گا اتنے ہی انوار و برکات حاصل ہوں گے۔

تہجد اس لیے نہ پڑھی کہ رات بھر ستر مسائل مستنبط کئے، تہجد ایک ایسی عبادت ہے جس کا فائدہ مجھ تک محدود رہتا اور مسائل ایسے ہیں کہ ان پر جو عمل کرے گا مجھے ان کے عمل کا اجر ملے گا اور ان کے ثواب میں کمی نہ آئے گی۔ تو گویا ان کا نفع متعدی ہے اور تہجد کا غیر متعدی۔ اس لیے میں نے تہجد نہیں پڑھی۔

فجر کی نماز بغیر وضو نہیں پڑھی بلکہ مسائل میں ساری رات جاگتے گزری اور کوئی ناقض وضو پیش نہ آیا اس لیے وضو نہ ٹوٹا، عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی۔

(ملفوظات فقیہ الامت)

افسانہ

قصہ چہار درویش

از: میر امن دہلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبحان اللہ کیا صانع ہے! کہ جس نے ایک مٹھی خاک سے کیا کیا صورتیں اور مٹّی کی مورتیں پیدا کیں! باوجود دو رنگ کے ایک گورا ایک کالا اور یہی ناک کان ہاتھ پاؤں سب دیے ہیں۔ اس پر رنگ بہ رنگ کی شکلیں جدی جدی بنائیں کہ ایک کی سج دھج سے دوسے کا ڈیل ڈول ملتا نہیں، کروڑوں خلقت میں جس کو چاہیے پہچان لیجیے۔ آسمان اس کے دریائے وحدت کا ایک بلبلا ہے، اور زمین پانی کا بتاشا، لیکن یہ تماشا ہی کہ سمندر ہزاروں لہریں مارتا ہے، پر اس کا بال بیکا نہیں کرسکتا۔ جس کی یہ قدرت اور سکت ہو اس کی حمد وثنا میں زبان انسان کی گویا گونگی ہے۔ کہے! بہتر یوں ہی کہ جس بات میں دم نہ مار سکے، چپکا ہو رہے۔

عرش سے لے کر فرش تک جس کا کہ یہ سامان ہے
حمد اس کی گر لکھنا چاہوں، تو کیا امکان ہے!
جب پیمبر نے کہا ہو، ''میں نے پہچانا نہیں''
پھر کوئی دعوا کرے اس کا، بڑا نادان ہے
رات دن یہ مہر و مہ پھرتے ہیں صنعت دیکھتے
پر ہر ایک واحد کی صورت دیسہ حیران ہے
جس کا ثانی اور مقابل ہے نہ ہووے گا کبھو
ایسا یکتا کو خدائی سب طرح شایان ہے

آغاز قصے کا: اب آغاز قصے کا کرتا ہوں، ذرا کان دھر کر سنو اور منصفی کرو۔ سیر میں چہار درویش کے یوں لکھا ہے اور کہنے والے نے کہا ہے کہ آگے روم کے ملک میں ایک شہنشاہ تھا۔ کہ نوشیرواں کی سی عدالت اور حاتم کی سی سخاوت اس کی ذات میں تھی۔ نام اسکا آزاد بخت اور شہر قسطنطنیہ (جس کو استنبول کہتے ہیں) اس کا پایۂ تخت تھا۔ اس کے وقت میں رعیت آباد، خزانہ معمور، لشکر مرفّہ، غریب غربا آسودہ، ایسے چین سے گزران کرتے اور خوشی سے رہتے کہ ہر ایک کے گھر میں دن عید، اور رات شبِ برات تھی۔

اور جتنے چور چکار، جیب کترے، صبح خیزے اٹھائی گیرے دغا باز تھے، سب کو نیست و نابود کر کر نام و نشان ان کا اپنے

ملک بھر میں نہ رکھا تھا۔ ساری رات دروازے گھروں کے بندے نہ ہوتے اور دکانیں بازار کی کھلی رہتیں۔ راہی مسافر جنگل میدان میں سونا اچھالتے چلے جاتے کوئی نہ پوچھتا کہ تمھارے منہ میں دانت ہیں، اور کہاں جاتے ہو؟

اس بادشاہ کے عمل میں ہزاروں شہر تھے، اور کئی سلطان نعل بندی دیتے، ایسی بڑی سلطنت پر ایک ساعت اپنے دل کو خدا کی یاد اور بندگی سے غافل نہ کرتا۔ آرام دنیا کا جو چاہیے سب موجود تھا، لیکن فرزند کی طرف سے محروم تھا۔ کہ جو زندگانی کا پھل ہے اس کی قسمت کے باغ میں نہ تھا۔ اس خاطر اکثر فکرمند رہتا۔ پانچوں وقت کی نماز کے بعد اپنے کرم سے کہتا کہ اے اللہ مجھ عاجز کو تو نے اپنی عنایت سے سب کچھ دیا لیکن ایک اس اندھیرے گھر کو دیا نہ دیا۔

یہی ارمان جی میں باقی ہے ایک بیٹا جیتا جاگتا مجھے دے تو میرا نام اور اس سلطنت کا نشان باقی رہے۔ اسی امید میں بادشاہ کی عمر چالیس برس کی ہوگئی۔ ایک دن شیش محل میں نماز ادا کر وظیفہ پڑھ رہے تھے کہ ایک بارگی آئینہ کی طرف جو خیال کرتے ہیں تو ایک سفید بال موچھوں میں نظر آیا کہ مانند تار مقیش کے چمک رہا ہے۔ بادشاہ یہ دیکھ کر آبدیدہ ہوئے اور ٹھنڈی سانس بھری، پھر دل میں سوچا کیا کہ افسوس تو نے اتنی عمر ناحق برباد کی اور اس دنیا کی حرص میں ایک عالم کو زیروزبر کیا اور ملک جو لیا اب تیرے کس کام آئے گا۔ آخر یہ سارا مال وسباب کوئی دوسرا اور آئے گا تجھے تو پیغام موت کا آچکا۔ اگر کوئی دن جیئے بھی تو بدن کی طاقت کم ہوگی۔

اس سے یہ معلوم ہوا ہے کہ میری تقدیر میں نہیں لکھا کہ وارث چیز اور تخت کا پیدا ہو مجھے ایک روز مرنا ہے اور سب کچھ چھوڑ جانا ہے اس سے یہ بہتر ہے کہ میں ہی اسے چھوڑ دوں اور باقی زندگانی اپنے خالق کی یاد میں کاٹوں۔ یہ بات اپنے دل میں ٹھہرا کر پائیں باغ میں جا کر سب مجرائیوں کو جواب دے کر فرمایا کہ کوئی آج سے میرے پاس نہ آوے۔ سب دیوان عام میں آیا جایا کریں اور اپنے کام میں مستعد رہیں یہ کہہ کر آپ ایک مکان میں جا بیٹھے۔ اور مصلا بچھا کر عبادت میں مشغول ہوئے سوائے رونے اور آہ بھرنے کے کچھ کار نہ تھا۔ اسی طرح بادشاہ آزاد بخت کو کئی دن گزرے شام کو روزہ کھولنے کے وقت ایک چھوہارا اور تین گھونٹ پانی پیتے اور تمام دن رات جانماز پر پڑے رہتے۔ اس بات کا باہر چرچا پھیلا رفتہ رفتہ تمام ملک میں خبر ہوگئی کہ بادشاہ نے بادشاہت سے ہاتھ کھینچ کر گوشہ نشینی اختیار کی۔

چاروں طرف سے غنیموں اور مفسدوں نے سر اٹھایا اور قدم اپنی حد سے بڑھایا جس نے چاہا ملک دبا لیا اور سرانجام سرکشی کا کیا ہوا جہاں کہیں حاکم تھے ان کے حکم میں خلل عظیم واقع ہوا۔ ہر ایک صوبے سے غرضی بدعملی کی حضور میں پہنچی۔ درباری امراء جتنے تھے جمع ہوئے اور اصلاح مصلحت کرنے لگے۔ آخر یہ تجویز ٹھہرائی کہ نواب وزیر عاقل اور دانا اور بادشاہ کا مقرب اور معتمد ہے اور درجے میں بھی سب سے بڑا ہے اس کی خدمت میں چلیں اور دیکھیں کہ وہ کیا مناسب جان کر کرتا ہے۔

سب ہی امیر وزیر کے پاس آئے اور کہا بادشاہ کی یہ صورت اور ملک کی وہ حقیقت اگر چندے تغافل ہو تو اس محنت کا ملک لیا ہو مفت میں جاتا رہے گا، پھر ہاتھ آنا مشکل ہے۔ وزیر پرانا قدیم نمک حلال اور عقل مند نام بھی خردمند اسم بامسمّٰی

تھا، کہا اگرچہ بادشاہ نے حضور میں آنے کو منع کیا ہے۔ لیکن تم چلو میں چلتا ہوں۔ بادشاہ کے خیال میں آوے جورو بروبلائے۔ یہ کہہ کر سب کو اپنے ساتھ دیوان عام تک لا ان کو وہاں چھوڑ کر آپ دیوان خاص میں آیا اور بادشاہ کی خدمت میں محلی کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ یہ پیر غلام حاضر ہے۔

کئی دنوں سے جمال جہاں آرا نہیں دیکھا امیدوار ہوں کہ ایک نظر دیکھ کر قدم بوسی حاصل کروں تو خاطر جمع ہو۔ یہ عرض وزیر کی بادشاہ نے سنی۔ از بسکہ قدامت اور خیر خواہی اور تدبیر اور جان نثاری اس کی جانتے تھے اور اکثر اسکی بات مانتے تھے۔ بعد تائل کے فرمایا خردمند کو بلا لو بارے جب پروانگی ہوئی وزیر حضور میں آیا آداب بجا لایا۔ اور دست بستہ کھڑا رہا۔ دیکھا تو بادشاہ کی عجیب صورت بن رہی ہے کہ زار زار رو رہے ہیں اور دبلا پے سے آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں اور چہرہ زرد ہو گیا ہے۔

خردمند کو تاب نہ رہی، بے اختیار دوڑ قدموں پر جا گرا۔ بادشاہ نے ہاتھ سے سر اس کا اٹھایا اور فرمایا لو، مجھے دیکھا، خاطر جمع ہوئی؟ اب جاؤ، زیادہ مجھے نہ ستاؤ، تم سلطنت کرو۔ خردمند سن کر، ڈاڑھ مار کر رویا اور عرض کی غلام کو آپ کے تصدق اور سلامتی سے ہمیشہ بادشاہت میسر ہے۔

لیکن جہاں پناہ کی یک بیک اس طرح کی گوشہ گیری سے تمام ملک میں تہلکہ پڑ گیا ہے اور انجام اس کا اچھا نہیں۔ یہ کیا خیال مزاج مبارک میں آیا؟ اگر اس خانہ زاد موروثی کو بھی محرم اس راز کا کیجیے تو بہتر ہے۔ جو کچھ عقلِ ناقص میں آوے، التماس کرے۔ غلاموں کو جو یہ سرفرازیاں بخشی ہیں، اسی دن کے واسطے کہ بادشاہ عیش و آرام کریں، اور نمک پروردے تدبیر میں ملک کی رہیں۔

خدانخواستہ جب فکر مزاج عالی کے لاحق ہوئی تو بندہائے بادشاہی کس دن کام آویں گے؟ بادشاہ نے کہا سچ کہتا ہے، پر جو فکر میرے جی کے اندر ہے، سو تدبیر سے باہر ہے۔ سن اے خردمند میری ساری عمر اسی ملک گیری کے دردِ سر میں کٹی، اب یہ سن و سال ہوا، آگے موت باقی ہے، سو اس کا بھی پیغام آیا کہ سیاہ بال سفید ہو چلے۔ وہ مثل ہے، ساری رات سوئے، اب صبح کو بھی نہ جاگیں؟ اب لک ایک بیٹا پیدا نہ ہوا جو میری خاطر جمع ہوتی، اس لیے دل سخت اداس ہوا اور میں سب کچھ چھوڑ بیٹھا۔

جس کا جی چاہے، ملک لے یا مال لے، مجھے کچھ کام نہیں، بلکہ کوئی دم میں یہ ارادہ رکھتا ہوں کہ سب چھوڑ کر، جنگل اور پہاڑوں میں نکل جاؤں اور منھ اپنا کسو کو نہ دکھاؤں، اسی طرح یہ چند روز کی زندگی بسر کروں۔ اگر کوئی مکان خوش آیا تو وہاں بیٹھ کر بندگی اپنے معبود کی بجالاؤں گا۔ شاید عاقبت بخیر ہو اور دنیا کو تو خوب دیکھا، کچھ مزہ نہ پایا۔ اتنی بات بول کر، اور ایک آہ بھر کر، بادشاہ چپ ہوئے۔

طب وصحت

جامن کے فوائد

ادارہ

جامن کا شمار انتہائی مفید پھلوں میں ہوتا ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا پھل ہے، لیکن اس کے فائدے بے شمار ہیں، اسی لئے اس کے کھانے کی خاص تاکید کی جاتی ہے۔ نہ صرف جامن بلکہ جامن کی گھٹلیاں اور پتے بھی مفید ہیں۔

جامن کی خاصیت: یہ ہے کہ یہ جسم میں موجود مختلف اقسام کی بیماریوں کو دور کرتا ہے جس میں معدے کی بیماریاں، آنتوں کی جلن، خراش، بلڈ پریشر کی سطح کو نارمل رکھنا، شوگر کنٹرول کرنا اور کھانا ہضم کرنا وغیرہ شامل ہے۔

ہیموگلوبن میں اضافہ: جامن میں موجود وٹامن سی اور آئرن کی کثیر مقدار ہیموگلوبن کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

ذیابیطس کے مرض میں مفید: ذیابیطس (شوگر) کے مریضوں کیلئے جامن کا استعمال نہایت ضروری ہے، جامن خون میں شوگر کی مقدار بڑھنے سے روکتا ہے۔ اس کے علاوہ جامن کی پتے بھی ذیابیطس کے مریضوں کیلئے بے حد مفید ہیں۔

خون کو صاف کرنا: جامن میں موجود آئرن خون کو صاف کرنے کا کام بھی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جسم میں آئرن کی کمی کو دور کرنے کیلئے جامن کا استعمال ضروری ہے۔

دل کی بیماریوں کیلئے مفید: جامن انسان کو دل کی بیماریوں سے بچاتا ہے کیونکہ اس میں پوٹاشیم بڑی تعداد میں موجود ہے، نیز جامن کا باقاعدگی سے استعمال شریانوں کو سخت ہونے سے روکتا ہے۔

دانتوں کو مضبوط کرنا: وٹامن سی اور اینٹی بیکٹیریل خصوصیات کا حامل جامن، دانتوں کیلئے بہت مفید ہے۔ جامن کا شربت پینے یا اس کا رس دانتوں پر لگانے سے دانت سے متعلقہ تمام مسائل کو دور کیا جاسکتا ہے۔

وزن میں کمی: جامن میں موجود فائبر بہت دیر تک بھوک نہیں لگنے دیتا۔ جامن وزن کو بڑھنے سے روکتا ہے۔

الحاصل جامن میں وہ تمام اجزاء پائے جاتے ہیں جو صحت کو بہتر بناتے ہیں۔

جامعۃ السعادۃ کیرانہ کی مطبوعات

(۱) تفسیر پارہ عم

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۲) التوحید (دلائل توحید اور رد کفر و شرک پر مدلل و مفصل کتاب)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۳) مختصر لغات القرآن

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۴) طلاق کا اختیار عورت کو کیوں نہیں

تحریر: حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب۔ ترتیب و تخریج: مولانا محمد صغیر پرتاپ گڑھی

(۵) اسلام کا نظام طلاق (نقل وعقل کی روشنی میں)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۶) موڈرن عورت اور اسلام

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۷) اسلام کا پیغام انسانیت کے نام

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۸) اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ اول)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۹) اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ دوم)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۱۰) اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ سوم)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۱۱) اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ چہارم)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

جامعۃ السعادۃ و اسعاد البنات کیرانہ

شاخ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

''جامعۃ السعادۃ'' مغربی یوپی کے مردم خیز قصبہ ''کیرانہ، شاملی'' کا ایک عظیم ومنفرد ادارہ ہے۔ جس کے مقاصد میں سے قرآن وحدیث کی ترویج واشاعت کے ساتھ، ایسے باصلاحیت رجال کا رتیار کرنا ہے، جو ملت اسلامیہ کی علمی، دینی اور فکری قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں اور اپنی خوابیدہ قوم کو بیدار کر سکیں۔

یہ ادارہ ۱۴۲۸ھ سے علم کی شمع جلانے اور اس کی لو کو تیز کرنے میں مصروف ہے، بچوں اور بچیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ، عربی، اردو اور انگریزی زبان بولنے ولکھنے کی ان کے اندر صلاحیت پیدا کرنے اور صحیح ڈھنگ سے ان کی تربیت کرنے، نیز عوام الناس میں دینی بیداری پیدا کرنے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے واقف کرانے کے لئے اس کے خصوصی تعلیمی وتربیتی پروگرام اور انتہائی علمی ووقیع ماہ نامہ ''تحقیقات اسلامی'' کی پابندی کے ساتھ اشاعت ایسے کارنامے ہیں کہ کم ہی ادارے اس قلیل مدت میں اس منزل کو حاصل کر پاتے ہیں۔ جامعہ کی مستقل اپنی انتہائی خوبصورت و دیدہ زیب دو منزلہ عمارت ہے، جس میں تعلیمی، تربیتی اور دعوتی ۱۴/ شعبے قائم ہیں۔ طلبہ کی ایک کثیر تعداد دار الاقامہ میں مقیم ہے جن کے قیام وطعام اور لباس وفوری علاج کا جامعہ کفیل ہے اور دیگر ہر طرح کی سہولیات انہیں فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جامعہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق ہے، اور دار العلوم ندوۃ العلماء ہی کے نصاب کے مطابق ثانویہ اولیٰ سے عالیہ ثانیہ تک کی تعلیم کے ساتھ حفظ مع تجوید، ناظرہ قرآن کریم، دینیات اور حکومت ہند سے منظور شدہ: جامعۃ السعادۃ پبلک اسکول کے تحت درجہ آٹھ تک کی تعلیم ماہر اساتذہ کی نگرانی میں جاری ہے۔

جب کہ بچیوں کی خصوصی تعلیم وتربیت کے لئے علاحدہ سے ''جامعہ اسعاد البنات'' قائم ہے۔ اس کی بھی دو منزلہ انتہائی محفوظ، خوبصورت اور ہر طرح کی سہولیات سے مزین عمارت ہے۔ بچیوں کی نگرانی اور ان کی تعلیم وتربیت کے لئے باصلاحیت عالمائیں مامور ہیں، یہ ادارہ بھی ندوۃ العلماء سے ملحق ہے۔ جس میں ندوہ ہی کے نصاب ونظام کے مطابق از درجہ پرائمری تا دورہ حدیث شریف کی تعلیم جاری ہے، ساتھ ہی کمپیوٹر اور دست کاری (سلائی، کڑھائی، امور خانہ داری) بھی سکھائی جاتی ہے۔

جامعہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ مخیّر حضرات سے اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ اور عطیات کی رقوم سے جامعہ کا تعاون فرمائیں۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

محمد عرفان ثاقب قاسمی

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ، کیرانہ ضلع شاملی۔ یوپی 247774

رابطہ نمبر 09319530768 / 8630449150

Tehqiqat-e-Islami

Post No. UP/MZN- 86/2015-17   RNI No: upurd/2011/42786

Kairana, Distt. Shamli (U.P) India

E-mail: tahqiqat-eislamia@yahoo.com

Website: www.jamiakairana.com

www.shariyahacademy.com , academy2016web@gmail.com

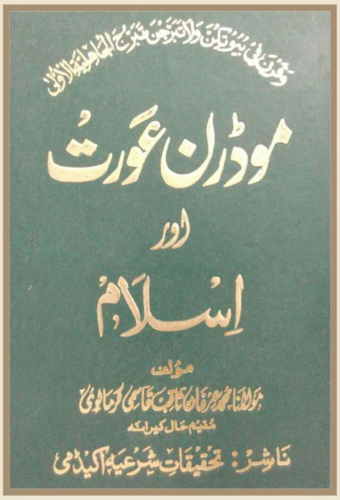

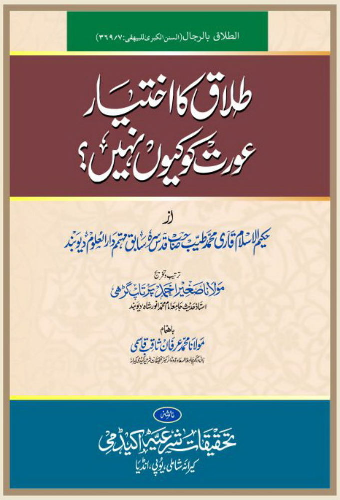

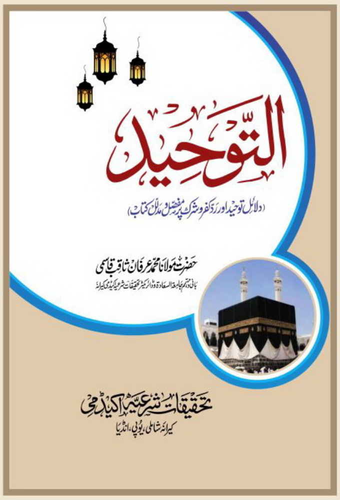

JAMIATUS SA'ADAH

Moh.Ibrahim Pura, (Aal Kalan) Shamli Road,

Kairana, Distt. Shamli U.P Pin: 247774

Mob: 09359602830, 09319530768